علمی | اَدبی | تحقیقی | اصلاحی مجلّہ

ماہنامہ

ضیائے حدیث

لاہور

شمارہ:10 جلد:24 اکتوبر 2015ء/محرم الحرام 1437ھ

سرپرست اعلیٰ: حافظ عبدالوحید سوہدروی

ایگزیکٹو ایڈیٹر: مولانا عبدالمالک مجاہد

چیف ایڈیٹر: قمرالحمید فیصل علوی

ایڈیٹر: محمد نعمان فاروقی

سب ایڈیٹر: قاری ذکاء اللہ سلیم

مجلس ادارت

حافظ صلاح الدین یوسف، مولانا ارشاد الحق اثری، شیخ شبیر عثمانی، حبیب الرحمٰن، مولانا عبدالرحمٰن لدھیانوی، حافظ شبیر صدیق، حافظ عبدالستار حماد، مولانا ارشد کمال، حافظ عزیز الرحمٰن اعوان، پروفیسر نجیب کیلانی، حافظ فاروق عبداللہ، خلیل الرحمٰن بلوچ

مجلس نظامت

نجم المجید، عکاشہ مجاہد، صاحبزادہ عبدالحفیظ مظہر، مولانا عبدالحفیظ فاروقی، حبیب کبریا، حافظ محمد ارشد

آرٹ سیکشن

حافظ عبدالماجد (کمپوزنگ)

قانونی مشیر: ملک نور محمد سرفراز اعوان (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

■ ضیائے حدیث جاری کرانے کے لیے

منی آرڈر، آن لائن یا ایزی پیسہ کے ذریعے سالانہ زرتعاون دفتر ارسال کریں اور حسب ذیل نمبرز میں سے کسی ایک پر اطلاع دیں اور اپنا مکمل ایڈریس لکھوائیں۔ رسالہ آپ کے نام جاری ہو جائے گا۔

■ منی آرڈر اور خط کتابت کے لیے

دفتر ماہنامہ ضیائے حدیث 25 ہادیہ حلیمہ سنٹر، اردو بازار، لاہور

042 3731 0022 || ziaehadith1@yahoo.com

اطلاع عام: ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارہ یا چیف ایڈیٹر کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ نفسِ مضمون کی ذمہ داری صاحبِ مضمون پر ہے لہٰذا ادارہ یا چیف ایڈیٹر اس بابت قانونی طور پر بری الذمہ ہوگا۔

(چیف ایڈیٹر ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' لاہور)

سرکولیشن نمبر: حافظ محمد حق نواز +92 300,332 88 66 057

مارکیٹنگ: محمد یوسف سلفی +92 300 70 71 823

50 روپے قیمت فی شمارہ

ایزی پیسہ اکاؤنٹ نمبر: 0345-4495886-0

آن لائن کرانے کے لیے:

A/C Title: Monthly Zia-e-hadith
A/C No: 0038805201002063
M.C.B Bank Ltd. Session Court Branch Lahore. Br Code: 1317

محمد حق نواز 057 88 66 300 92+

شناختی نمبر 38404-0967643-1

سالانہ زرتعاون

عام ڈاک 500 روپے | رجسٹری ڈاک 900 روپے | سعودی عرب 100 ریال | یورپی ممالک 50 یورو

دیگر ممالک میں سالانہ زرتعاون

ناشر محمد ادریس فاروقی | مقام اشاعت 399/E اندرون موچی دروازہ، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیاد: مولانا حکیم عبدالمجید سوہدروی رحمہ اللہ 1959ء
بانی و مدیر ہفت روزہ ''مسلمان'' وطبی میگزین

بانی: مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ 2010ء

مندرجات

	بدعتی وگمراہ رشتے داروں کو صدقات وزکاۃ		2
اداریہ	وہ جو تاریک راہوں میں مارے گئے.....	فیصل علوی	5
فہم الحدیث	دین میں نئے امور	الشیخ محمد صالح العثیمین	7
عقیدۂ و منہج	اسمائے حسنیٰ	الشیخ عبدالصمد رفیقی	10
حلال و حرام	رشوت	حافظ شبیر صدیق	12
افتاء و ارشاد	آپ کے سوال اور ان کا حل	ابوالحسن حافظ عبدالخالق	20
افتاء و ارشاد	اہل سدوم کے عمل کی شرعی سزا؟	مفتی عبدالولی خان	23
سیاسیات	اسلامی نظام کیونکر قائم کیا جائے؟	مولانا امین احسن اصلاحی	26
عالمی منظر نامہ	جوہری معاہدے کے مہلک اثرات	ابوضرار ملک	31
اصلاح امت	ایک سانحہ کافی نہیں؟	محمد نعمان فاروقی	34
انٹرویو	اُدھر پیس ٹی وی کھلا اور ادھر دریچہ دل	روبن لی (نومسلم عبدالرحیم)	39
مکتوب الریاض	کیا ہم جنت کے راہی ہیں؟	عبدالمالک مجاہد	45
تعلیم و تعلم	علوم اسلامیہ کے طلبہ کو خوش آمدید	ابوعمار عمر فاروق سعیدی	49
گوشۂ خواتین	خواتین کا ضیائے حدیث	ایڈیٹر	53
گوشۂ خواتین	زبان کی معمولی بداحتیاطی.....	ام حماس تیمیہ	54
طب و سائنس	کیلشیم کے فوائد	ڈاکٹر طارق ریاض	57
مناقب	شانِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم	الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی	59
عالم اسلام	لیبیا	محسن فارانی	68

ضیائے حدیث کا کوئی بھی مضمون کسی بھی صورت میں چھپوا کر یا ضیائے حدیث تقسیم کرنے کے لیے یا تبلیغ کی غرض سے سافٹ کاپی حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں: 03224044013

اداریہ

وہ جو تاریک راہوں میں مارے گئے.....

بِأَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ؟

شامی بچہ ایلان الکردی.....شامی مسلمانوں کے لیے سعودی عرب کا شاندار کردار

فیصل علوی

آج سے 6 برس قبل اسلامی ممالک مصر، تیونس اور لیبیا کے عوام نے اپنے حکمرانوں کے طرز حکمرانی سے تنگ آ کر ان کے خلاف آواز بلند کی جس کے نتیجے میں ایسی تحریک چلی کہ ان ممالک میں حکومتیں تبدیل ہوگئیں۔ اس تحریک سے متاثر ہونے والے ممالک میں تاریخی ملک سوریا (شام) بھی تھا۔ سوریا میں بھی ایک ظالم اور جابر حکمران، جسے دنیا بشار الاسد کے نام سے جانتی ہے، کی حکومت تھی اور اب بھی ہے۔ سوریا کے ایک نسبتاً چھوٹے شہر میں سکول کے چند بچوں کے ذہن میں بیداری کی لہر اثر انداز ہوئی اور انھوں نے اپنے ننھے ہاتھوں سے سکول کی دیوار پر چند ایسے جملے تحریر کر دیے جو بشار الاسد اور اس کے حواریوں کی طبع نازک پر گراں گزرے۔ اگلے روز ہی شامی فوج نے سکول کو گھیر لیا۔ معصوم بچوں کو مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ آخر کار ان کی مار پیٹ سے تنگ آ کر ان بچوں کے ''جرم'' کے بارے میں بتا دیا گیا۔ چند ہی لمحوں میں فوج ان بچوں کو اٹھا کر لے گئی اور ان بچوں پر اتنے مظالم کیے کہ انسانیت کانپ اٹھے۔ مقامی قبائل کے سردار جب حکومت وقت کے پاس مذاکرات کے لیے پہنچے کہ اب آپ لوگوں نے بچوں کو انتہائی المناک سزا دے دی ہے۔ ان سرداروں کو ایسا جواب دیا گیا جو بجائے خود انسانی سوچ سے کم تر تھا اور وہ جواب تحریر میں لانے کے قابل بھی نہیں۔ آخر کار بڑی منت وسماجت کے بعد معصوم بچوں کی تشدد شدہ اور ناقابل شناخت لاشیں ان کے حوالے کی گئیں اور کہا گیا کہ تم ان کی ماؤں سے اور بچے پیدا کرلو اگر اتنی طاقت نہیں رکھتے تو ان کی ماؤں کو ہمارے حوالے کرو ہم بچے پیدا کر دیتے ہیں۔ ایسا ناقابل یقین اور ذلت آمیز جواب سننے کے بعد غیور قبائل نے عظیم الشان جدوجہد کا فیصلہ کیا اور ان انسانیت سوز مظالم کے نتیجے میں جہاد شروع ہوگیا۔ پھر بقول شاعر

ادھر آ ستم گر ہنر آزمائیں　　تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

پھر شامی سنی مسلمانوں پر ایسا کڑا وقت آیا اور ان کے گھروں پر دن رات آگ و بارود کی بارش برسائی گئی۔ لاکھوں لوگوں کو شہید کر دیا گیا ان کے گھر مال و مویشی اور فصلیں تباہ کر دی گئیں۔ اس نتیجے میں سوریا کے مظلوم مسلمان ہمسایہ ممالک میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے جن میں سعودی عرب، لبنان، اردن اور ترکی سرفہرست ہیں۔ انھی میں سے ایک خاندان ترکی میں پناہ گزین تھا۔ اس خاندان نے کینیڈا میں پناہ کے لیے درخواست کی جو مسترد کر دی گئی اور اس خاندان نے باقی چند خاندانوں کے ہمراہ، جو یورپ جانے کے خواہش مند تھے، ایک کشتی کی خدمات حاصل کیں۔ کشتی تھوڑی دور جانے کے بعد تیز لہروں کی نظر ہوگئی اور سوار ڈوب گئے۔ دو بچوں کی لاشیں تو جلد ہی مل گئیں لیکن ایک تین سالہ بچہ جس کی لاش پانی میں بہہ کر ترکی کے

ساحل پر جا پہنچی۔ وہ بچہ جسے میڈیا میں ایلان الکردی کے نام سے متعارف کرایا گیا۔ شام میں موت کے منہ سے نکل کر زندگی کی تلاش میں سرگرداں افراد کو بے پناہ مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا اور ترکی کے ساحل پر اوندھے منہ پڑے اس بچے کی میت کی تصویر نے ہر زندہ ضمیر انسان کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ 200 سے زائد ممالک امن عالم کے ٹھیکیدار اور ایمنسٹی انٹرنیشنل کے گونگے و بہرے اور سلامتی کونسل کے ذمہ داران بشار الاسد کو مجبور کرتے کہ وہ فوراً اقتدار چھوڑ دے اور بے انتہا مظالم سے رک جائے جن کے نتیجے میں تین لاکھ شامی مسلمان شہید ہو چکے ہیں۔ لیکن سلامتی کونسل کے سر پر جوں تک نہیں رینگی اور لولی پاپ کے ذریعے چند افراد کو پناہ دینے کی رسمی کارروائی کے سوا کچھ نہیں کیا گیا۔ بلکہ عرب میڈیا کے مطابق لاکھوں شامی پناہ گزینوں کو یورپی ملکوں تک لے جانے، انھیں مشکلات سے دوچار کرنے کے ساتھ ساتھ اب ایک نیا اور لرزہ خیز انکشاف ہوا ہے کہ ترکی میں قائم فرانس کا ایک قونصلیٹ بھی پناہ گزینوں میں موت بانٹنے میں پیش پیش ہے۔ فرانسیسی ذرائع ابلاغ نے چونکا دینے والے انکشافات کیے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ ترکی کی شمال مغربی ساحلی ریاست ''بود بورم'' میں قائم فرانس کا ایک قونصلیٹ یورپی ملکوں کی طرف سفر کے خواہاں پناہ گزینوں کو غیر محفوظ کشتیاں فروخت کر رہا ہے۔ ممکنہ طور پر تین سالہ ایلان الکردی کو جس کشتی میں سوار کیا گیا اور وہ آخر کار حادثے کا شکار ہوئی تو وہ بھی اسی فرانسیسی سفارت خانے کی دَین تھی۔ تاہم فرانس جیسے ملک کے قونصل خانے کی جانب سے پناہ گزینوں کو غیر قانونی کشتیاں فروخت کرنا حیران کن ہے۔ اس کی عالمی سطح پر تحقیقات ہونی چاہئیں، کیونکہ سمندر میں غیر محفوظ کشتیوں پر سفر کرتے ہوئے پچھلے کچھ عرصے کے دوران تین ہزار سے زائد پناہ گزین لقمہ اجل بن چکے ہیں۔ اس کے باوجود ہمارے کئی افراد اور این جی اوز مغربی ممالک اور امریکہ سے امداد اور پناہ کی درخواست کر رہے ہیں۔

میر کیا سادہ ہیں، بیمار ہوئے جس کے سبب　　اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

شامی مسلمانوں کے لیے سعودی عرب کا کردار

ایلان الکردی کی تصویر سوشل میڈیا اور دیگر ذرائع ابلاغ پر آنے کے بعد سعودی عرب سے بغض و عناد رکھنے والے شر پسند عناصر نے مملکت توحید وسنت کے خلاف ایک طوفان بدتمیزی برپا کر دیا اور اقوام متحدہ کی لسٹ پیش کی جس میں شامی مظلوم مسلمانوں کے لیے سعودی عرب کے شاندار اور تاریخی کردار کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اور ثابت کیا گیا ہے کہ سعودی عرب میں ایک بھی شامی پناہ گزین بھی رہائش پذیر نہیں ہے۔ جبکہ اصل حقیقت اس کے برعکس ہے۔ پہلے دن سے ہی اس وقت کے سعودی فرمانروا ملک عبداللہ بن عبدالعزیز نے مظلوم بھائیوں کے لیے دل کھول کر مالی امداد کی اور موجودہ شاہ سلمان بن عبدالعزیز نے اس امدادی کام میں کئی گنا اضافہ کر دیا۔ آٹھ لاکھ شامی باشندوں کو اقامے جاری کیے گئے اور ان کو نہ صرف اپنا خاندان ساتھ رکھنے کی بھی اجازت دی گئی بلکہ سعودی سکولوں کے دروازے شامی بچوں کے لیے کھول دیے گئے۔ اس وقت ایک لاکھ شامی بچے سعودی سکولوں میں زیر تعلیم ہیں۔ اور ساتھ ساتھ انھیں معاشی سرگرمیوں کی اجازت بھی دی گئی۔ اب تک 600 ملین امریکی ڈالرز پناہ گزینوں کے کیمپوں میں اشیائے خورونوش اور دیگر امدادی کاموں میں صرف ہو چکے ہیں اور اس کے علاوہ کئی ہسپتال قائم کیے گئے جن میں ہر قسم کی سہولتیں میسر ہیں۔ اس دوران سعودی عرب کی تمام مساجد میں قنوت نازلہ کا اہتمام کیا جاتا رہا۔ سعودی بادشاہ نے حال ہی میں اعلان کیا ہے کہ ہم شامی باشندوں کو پناہ گزین نہیں بلکہ اپنا بھائی سمجھتے ہیں۔ الغرض! سعودی عرب نے شامی باشندوں کی مدد میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ اس کے باوجود کئی نام نہاد سیکولر اور لبرل اور ملحد لوگ اور تنظیموں نے مذہبی مخالفت میں سعودی عرب کے خلاف میڈیا میں بھرپور پروپیگنڈا کیا جس سے کئی عام مسلمان بھی متاثر نظر آئے۔ ہم سعودی عرب اور خادم الحرمین الشریفین کی کوششوں کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور شامی مظلوم و مجبور مسلمانوں کی مالی و اخلاقی مدد پر شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ اور ہم اہل پاکستان اس بات کا اعادہ کرتے ہیں کہ مملکت توحید وسنت پر آنچ نہیں آنے

بقیہ صفحہ نمبر 44 پر



الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ
ترجمہ واختصار: حافظ ابوسفیان میر محمدی

دین میں نئے امور...!

ام المومنین ام عبداللہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ» ''جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات پیدا کی جو اس میں نہیں ہے وہ مردود (ناقابل قبول) ہے۔''
اور مسلم کی ایک روایت یوں ہے: «مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ» ''جس نے کوئی ایسا کام کیا جس پر ہمارا حکم نہیں تو وہ مردود ہے۔''
(صحيح البخاري: 2697، وصحيح مسلم: 1718)

مفردات الحدیث

«أم المومنين» سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ام المومنین کی کنیت سے پکارا گیا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے ہیں۔ اور تمام ازواج مطہرات کو اس کنیت سے یاد کیا جائے گا۔ جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ﴾ ''اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ان (مومنین) کی مائیں ہیں۔'' (الأحزاب 6:33)

«أم عبدالله» یہ کنیت ہے۔ اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اولاد تھی یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ ان کا ایک بچہ تھا جو ساقط ہوگیا تھا زندہ نہیں رہا۔ اور بعض علماء کہتے ہیں: ان کا کوئی بچہ نہیں تھا اور نہ ہی ساقط ہوا، بلکہ ان کی یہ کنیت اللہ کے ہاں دو محبوب نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن کی وجہ سے ہے۔

«عَائِشَة» یہ ام المومنین کا نام ہے، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔ 6 برس کی عمر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا، 9 سال کی عمر میں رخصتی ہوئی اور امت کے لیے کثیر علم اور فقہ کو بیان کیا۔ نیز آپ رضی اللہ عنہا محدّثات میں سے ہیں اور فقیہہ ہیں۔

«مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا.....» (مَنْ) حرف شرط، (أَحْدَثَ) فعل شرط (فَهُوَ رَدٌّ) جواب شرط ہے۔ «فَهُوَ رَدٌّ» یعنی مردود، ناقابل قبول۔ (رَدٌّ) یہ مصدر بمعنی مفعول ہے۔ کیونکہ مصدر فاعل اور کبھی مفعول کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا أُمِرُوْا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ﴾ ''اور انھیں اس کے سوا حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس حال میں کہ اس کے لیے دین کو خالص کرنے والے، ایک طرف ہونے والے ہوں۔'' (البينة 5:98) اور فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ ''اور جو اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں سے ہوگا۔'' (آل عمران 85:3)



اور یہ حدیث اسلام کے اصولوں میں سے ایک اصل ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا قول دلالت کرتا ہے: ﴿وَاَنَّ هَذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْماً فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ﴾ ''اور یہ کہ بے شک یہی میرا راستہ ہے سیدھا، پس اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمھیں اس کے راستے سے جدا کر دیں گے۔'' (الأنعام 153:6) اور علمائے حق کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عبادت دو چیزوں سے صحیح ہو سکتی ہے۔ ایک اخلاص، دوسرا رسول اللہ ﷺ کی پیروی۔

فوائد الحدیث

① اللہ کے دین میں کوئی چیز ایجاد کرنا حرام ہے اگرچہ اس کا مقصد اچھا ہی کیوں نہ ہو اور دل اسے قبول کرے اور نرم پڑے۔ اس لیے کہ یہ شیطانی کام ہے۔

② کسی بھی عمل کی قبولیت کے لیے اتباع رسول شرط ہے۔

③ ہر بدعت (نیا کام) مردود ہے، لہٰذا بدعت حسنہ وسیئہ والی تقسیم باطل ہے۔

حدیث کی تفہیم کے لیے اہم مسائل

اگر کوئی کہے کہ ایسا کام ایجاد کیا جائے جس کی اصل شریعت میں موجود ہو لیکن ایک خاص انداز میں وہ کام اختیار کیا جائے تب بھی وہ دین نہیں ہوگا اور کیا یہ بھی مردود ہے؟

جی ہاں! ایسا عمل بھی نا قابل قبول ہے۔ اس کی مثال جیسے بعض لوگوں نے عبادات، اذکار، اخلاق وغیرہ ایجاد کیے ہیں تو وہ مردود ہیں۔ اور واضح رہے کہ اتباع اتنی دیر تک اتباع نہیں کہلائے گی جب تک کہ عمل چھ امور میں شریعت کے مطابق نہ ہو۔ سبب، جنس، مقدار، کیفیت، زمانہ اور جگہ۔ اگر شریعت ان چھ امور میں موافق نہ ہوئی تو وہ باطل ہے۔

① **عمل شریعت کے سبب میں موافق ہو:** انسان ایک عبادت کو سبب مقرر کر لے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو سبب نہیں مقرر کیا، مثلاً: کوئی آدمی جب بھی اپنے گھر میں داخل ہو تو وہ دو رکعتیں پڑھے اور اسے سنت سمجھے تو یہ مردود ہے۔ حالانکہ اس کی اصل نماز مشروع ہے لیکن جو سبب مقرر کیا ہے یہ شرعی سبب نہیں ہے لہٰذا یہ عمل مردود ٹھہرا۔

② **عمل شریعت کی جنس میں موافق ہو:** ایک بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے لیکن اس کی جنس مشروع نہیں تو ایسی عبادت قابل قبول نہیں، مثلاً: کوئی شخص گھوڑے کی قربانی کرے تو یہ مردود اور نا قابل قبول ہے اس لیے کہ شریعت کی جنس میں مخالفت ہے جبکہ قربانی بھیمۃ الانعام (اونٹ، گائے، بکری) کی جنس سے ہوتی ہے۔ اور اگر گھوڑا ذبح کر کے صدقہ کرتا ہے تو یہ جائز ہے۔

③ **عمل شریعت کی مقدار میں موافق ہو:** اگر کوئی شخص شریعت کی مقدار سے زائد مقدار پر اللہ عزوجل کی عبادت کرے، اس سے وہ قبول نہیں کی جائے گی، مثلاً: کوئی آدمی چار مرتبہ وضو کرے یعنی ہر عضو کو چار دفعہ دھوئے، تو یہ چوتھی بار دھونا قابل قبول نہ ہوگا، کیونکہ یہ شریعت پر زائد ہے بلکہ حدیث میں یوں ہے کہ نبی ﷺ نے تین دفعہ وضو کیا اور فرمایا: «مَنْ زَادَ عَلٰى ذٰلِكَ فَقَدْ اَسَاءَ وَتَعَدّٰى وَظَلَمَ» ''جس نے اس پر زائد کیا اس نے برا کام کیا، زیادتی کی اور ظلم کیا۔''

(سنن النسائی: 140، و سنن ابن ماجہ: 422)

④ **عمل شریعت کی کیفیت میں موافق ہو:** اگر کوئی شخص کسی عمل کو بطور عبادت کرتا ہے لیکن وہ شریعت کی کیفیت میں مختلف ہے اس سے وہ عمل قبول نہ کیا جائے گا، اس کا عمل مردود ہے۔ مثلاً: اگر کوئی آدمی نماز پڑھتا ہے اور رکوع سے پہلے سجدہ کر لیتا ہے تو اس کی نماز باطل ہے کیونکہ یہ شریعت کی کیفیت میں موافق نہیں۔

⑤ **عمل شریعت کے زمانہ (وقت) میں موافق ہو:** اگر کوئی شخص نماز کے وقت سے پہلے نماز ادا کرے تو اس کی نماز نا قابل قبول ہوگی کیونکہ ابھی وہ وقت ہی نہیں آیا جس کو شریعت نے حد مقرر کیا ہے۔ اور اسی طرح اگر کوئی شخص بغیر شرعی عذر کے نماز کو بے وقت ادا کرے جیسے فجر کی نماز سورج کے طلوع ہونے کے بعد پڑھے، تو اس کی نماز مردود ہے کیونکہ اس پر اللہ اور اس کے رسول کا حکم نہیں۔

⑥ **عمل شریعت کی جگہ میں موافق ہو:** اگر کوئی مسجد کے علاوہ مدرسہ یا گھر میں اعتکاف کرے تو اس کا اعتکاف درست نہ ہوگا کیونکہ شریعت نے جو اعتکاف کی جگہ بتائی ہے وہ مساجد ہیں۔

شریعت کی مخالفت میں مردود امور کی مزید مثالیں

① جمعہ کے دن جمعہ کی دوسری اذان کے بعد خرید و فروخت کرنا اور عقد کرنا باطل ہے کیونکہ اس پر جمعہ پڑھنا ضروری تھا۔ اگر ایسا کام



واقع ہو چکا ہے تو خریدنے والا سامان واپس کرے اور بیچنے والا اس کی رقم واپس کرے۔

② اگر بغیر ولی کے عورت نکاح کرتی ہے تو اس کا یہ نکاح باطل ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ» ''ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔'' (سنن أبي داود: 2083، و جامع الترمذي: 1101)

③ کوئی سونے کا ایک اوقیہ کے بدلے ڈیڑھ اوقیہ خریدتا ہے تو اس کی یہ بیع باطل ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «لَا تَبِيعُوا الذَّهْبَ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ سَوَاءً بِسَوَاءٍ» ''سونے کو سونے کے بدلے میں فروخت نہ کرو مگر برابر برابر۔'' (صحيح البخاري: 2177، و صحيح مسلم: 1584)

④ کوئی آدمی غصب شدہ کپڑا پہن کر نماز پڑھتا ہے تو جمہور علماء کہتے ہیں کہ اس کی نماز درست ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے غصب شدہ کپڑے میں نماز پڑھنے سے نہیں روکا، بلکہ آپ نے تو کوئی بھی چیز غصب کرنے سے منع فرمایا ہے اور حرام قرار دیا ہے۔

⑤ اگر کوئی آدمی ممنوعہ اوقات میں بغیر کسی سبب کے نفل نماز پڑھتا ہے تو اس کا یہ عمل ناقابل قبول ہے۔ کیونکہ اس وقت میں (بغیر سبب کے) نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔

⑥ کوئی عید الفطر کو روزہ رکھے تو اس کا یہ روزہ مردود ہے۔ کیونکہ اس سے منع کیا گیا ہے۔

⑦ غصب شدہ پانی سے کوئی وضو کرے، اس کا وضو درست ہوگا کیونکہ پانی غصب کرنا منع ہے، غصب شدہ پانی سے وضو کرنا منع نہیں۔ جب کسی عبادت سے منع کیا جائے تو وہ صحیح نہیں ہوگی، اور جب کسی عام کام سے منع کیا جائے تو پھر صحت عبادت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

⑧ اگر کوئی خرید وفروخت میں دھوکا دینے کے لیے ملاوٹ کرتا ہے تو اس کا کاروبار ٹھیک ہوگا۔ کیونکہ ملاوٹ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ دیکھا یہ جائے گا کہ ممانعت عمل کی ہے یا کسی عمل کے خارجی امر کی ہے، اگر تو ممانعت کسی عمل کی ہے تو وہ عمل مردود ہوگا اور اگر کسی خارجی امر کی ممانعت ہے تو عمل صحیح ہوگا لیکن گناہ اس عمل پر ہوگا جس کو اس نے کیا ہے اور وہ حرام تھا۔

⑨ غصب شدہ مال کے ذریعے کوئی حج کرتا ہے جیسے کوئی غصب شدہ اونٹ پر سوار ہو کر حج کرے تو جمہور کے قول کے مطابق اس کا حج صحیح ہوگا۔ لیکن اس اونٹ کو غصب کرنے پر گناہ اس کو ہوگا۔ اور بعض کے نزدیک اس کا حج درست نہ ہوگا۔

عبادات میں اصل ممانعت ہے حتی کہ اس کی مشروعیت کی کوئی دلیل آجائے۔ ایک بندہ کسی کام کو اللہ عزوجل کی عبادت سمجھ کر کرتا ہے۔ دوسرا اس کا انکار کرتا ہے۔ انکار کرنے والے کو کہتا ہے اس کام کے حرام ہونے پر کیا دلیل ہے؟ تو انکار کرنے والا کہے گا کہ عبادات میں اصل ممانعت اور کسی کام سے رک جانا ہے حتی کہ اس کے مشروع ہونے کی دلیل مل جائے۔

عبادات کے علاوہ اصل حلت ہے، چاہے وہ اعمال ہوں یا اس کے علاوہ۔ مثلاً: ایک آدمی پرندہ شکار کرتا ہے تاکہ اس کو کھائے۔ اس پر انکار کیا جاتا ہے تو شکاری کہے گا کہ اس کی حرمت کی دلیل کیا ہے؟ کیونکہ اصل میں تو یہ حلال ہے جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾ ''وہی ہے جس نے تمھارے لیے پیدا کیا جو زمین میں ہے سب کا سب۔'' (البقرة 29:2)

اعمال کے بارے میں مثال: کوئی آدمی اپنے گھر، گاڑی، لباس یا امور دنیا کے بارے میں کوئی کام کرتا ہے۔ دوسرا آدمی اس پر انکار کرتا ہے۔ وہ کہے گا اس کی حرمت کی دلیل کہاں ہے؟ کیونکہ اس میں اصل حلت ہے۔

دو مفید قواعد

عبادات

① جن عبادات کے بارے میں ہمیں علم ہے کہ یہ مشروع ہیں تو وہ جائز ہیں۔

② جن عبادات کے بارے میں ہمیں علم ہے کہ یہ ممنوع ہیں تو وہ ناجائز ہیں۔

③ جن عبادات کو ہم نہیں جانتے وہ بھی ممنوع ہیں۔

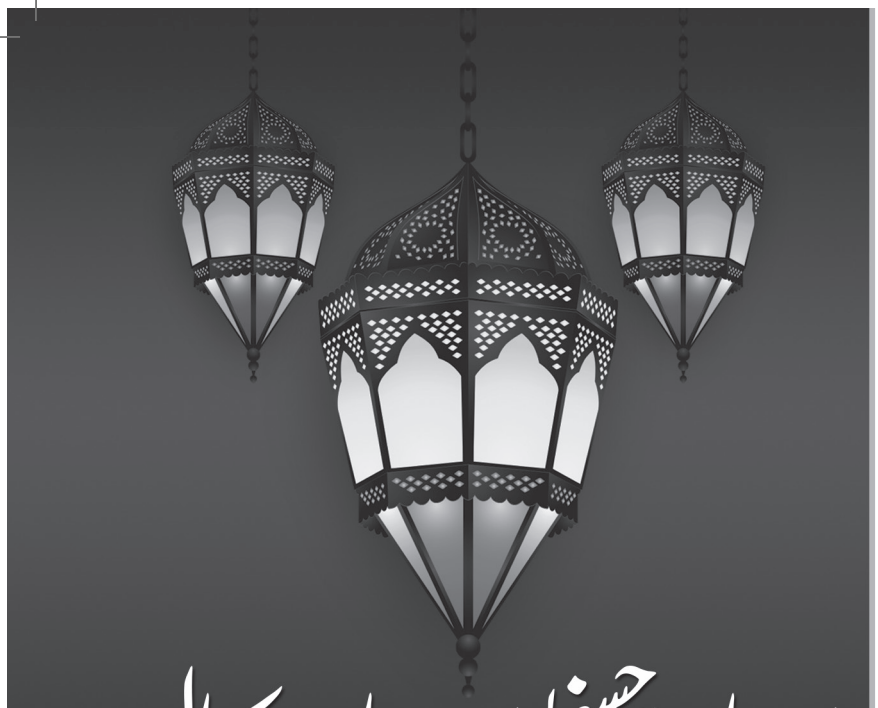
معاملات

① جن معاملات کا ہمیں علم ہے کہ اس کے بارے میں اجازت ہے تو وہ مباح ہیں۔ جیسے نبی ﷺ کا وحشی گدھا کھانا۔ (صحيح مسلم: 1941)

② جن کے بارے میں ہمیں علم ہے کہ شارع نے اس سے منع فرمایا ہے تو وہ ممنوع ہیں جیسے درندوں میں سے کچلی والے جانور حرام ہیں۔ (صحيح مسلم: 1932)

③ جن معاملات کے بارے میں ہم نہیں جانتے تو وہ مباح ہیں، کیونکہ عبادات کے علاوہ میں اصل حلت ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں متبع سنت بنائے، بدعات وخرافات سے بچائے۔ آمین



اسمائے حسنیٰ اور صفاتِ کمال

چند بنیادی قواعد

فضیلۃ الشیخ عبدالصمد رفیقی حفظہ اللہ

① اللہ رب العزت والجلال کی ایک ہی ذات ہے مگر اس کے اسماء، صفات، افعال اور کلمات بے شمار ہیں۔ کسی مخلوق کے لیے ان کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ اگر اس کے نام بے شمار ہیں تو اس کی صفات اس کے ناموں سے زیادہ وسیع تر ہیں جبکہ اس کے افعال اس کی صفات سے وسیع تر ہیں جبکہ اس کے کلمات کی بابت قرآن پاک ارشاد فرماتا ہے: ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا﴾ ''آپ فرمادیں! اگر سارے سمندر سیاہی ہوجائیں میرے رب کے کلمات (کو لکھنے) کے لیے تو یقیناً سمندر ختم ہوجائیں گے اس سے پہلے کہ میرے رب کے کلمات ختم ہوں اگرچہ ہم اتنی ہی سیاہی اور لے آئیں۔'' (الکھف 109:18)

② اللہ تعالیٰ کا ہر نام اپنا بہترین مفہوم رکھتا ہے، چنانچہ ہم اس کے ہر نام سے اس کی ایک یا ایک سے زیادہ صفات کو اخذ (معلوم) کر سکتے ہیں مگر اس کی ہر صفت سے اس کا نام اخذ نہیں کیا جاسکتا، مثلاً: یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ایک نام ''الخالق'' ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ جب چاہتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے مگر یہ نہیں کہیں گے کہ وہ چونکہ ہر رات کے آخری حصے میں آسمانِ دنیا کی طرف اپنی شان کے مطابق نازل ہوتا ہے۔ (صحیح البخاري: 1145) لہٰذا اس کا ایک نام ''النازل'' ہے۔ نہیں، ایسا نہیں کہیں گے۔

③ اس کے نام کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ اس کے شروع میں حرفِ ندا (وہ حرف جسے بول کر عرب لوگ کسی کو آواز دیتے ہیں) لگا دیں تو معنی درست رہے جبکہ ہر صفت کے شروع میں حرفِ ندا کا آنا صحیح نہیں ہوتا، مثلاً: یا رحمٰن، یا رحیم، یا حیی، یا قیوم، یا خیر الرازقین، یا الٰہ العالمین، یا رب العالمین، یہ سب اللہ تعالیٰ کے نام ہیں اور اس کی صفات بھی ہیں مگر «یَا یَدَاللّٰہِ» ''اے اللہ کے ہاتھ!'' کہنا درست نہیں ہے کیونکہ یَدُاللّٰہ اللہ کی صفت ہے نام نہیں ہے۔

④ بعض چیزیں خالق اور مخلوق دونوں کے لیے خوبی شمار ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس کے لیے اس قسم کی خوبیاں تسلیم کی جائیں، مثلاً: حسن و جمال کو اگر بندے اپنے لیے پسند کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ زیادہ حق رکھتا ہے کہ اسے مخلوق سے کہیں زیادہ بڑھ کر اس عیب سے پاک مانا جائے، مثلاً: کانا ہونا، آپ ﷺ نے جہاں دجال کے کانا ہونے کی خبر دی وہاں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اَعْوَرْ نہیں ہے۔ (صحیح البخاري: 7407) اَعْوَرْ کہتے ہیں جس کی دو آنکھوں میں سے ایک کانی ہو۔ اسی سے علمائے سلف نے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دو آنکھیں ہیں۔

⑤ بعض چیزیں ایسی ہیں جو بندوں کے لیے خوبی ہوتی ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے لیے عیب ہوتی ہیں، مثلاً: نیند، ہم میں سے جسے نیند نہ آئے اسے عیب اور بیماری سمجھا جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نیند سے پاک ہے کیونکہ یہ اس کے حق میں عیب ہے جبکہ نیند نہ ہونا اس کی خوبی ہے، ارشاد باری ہے: ﴿لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ﴾ ''اسے نہیں پکڑتی اونگھ اور نہ نیند۔'' (البقرۃ 255:2) نیند اللہ تعالیٰ کے حق میں عیب کیوں

ہے؟ اس سلسلے میں کئی باتیں کہی جاسکتی ہیں، مثلاً: نیند موت کی بہن ہے، سونے والا غافل ہوتا ہے اور جب نیند اپنا زور دکھاتی ہے تو بڑے بڑے پہلوانوں کو سلا دیتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہر عیب کی طرح اس عیب سے بھی یکسر پاک ہے۔

⑦ بعض چیزیں ایسی ہیں جو بندوں کے لیے عیب ہوتی ہیں مگر اللہ کے لیے خوبی ہوتی ہیں، مثلاً: اپنی تعریف خود کرنا، دوسروں سے اپنی تعریف سننا اور تکبر کرنا یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کے لائق ہیں بندوں کے لائق نہیں ہیں۔ اسی لیے جو شخص اپنی تعریف کرتا ہے لوگ اسے اچھا نہیں سمجھتے اور جو شخص دوسروں سے اپنی تعریف سننا پسند کرتا ہے وہ بڑی آسانی سے ریاکاری کا شکار ہوجاتا ہے اور جو شخص تکبر کرے تو اللہ تعالیٰ قطعاً کسی شیخی بگاڑنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ ارشاد باری ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالاً فَخُوْراً﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ نہیں محبت کرتا اس شخص سے جو اترانے والا اور شیخی بگاڑنے والا ہے۔'' (النسآء 36:4) ارشاد نبوی ہے: «وَلَا أَحَدَ أَحَبُّ إِلَيْهِ الْمِدْحَةُ مِنَ اللّٰهِ وَمِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ وَعَدَاللّٰهُ الْجَنَّةَ» ''اللہ سے بڑھ کر کوئی بھی نہیں ہے جسے (اپنی) تعریف (کرنا اور سننا) زیادہ پسند ہو اور اسی لیے اس نے (اپنے بندوں سے) جنت کا وعدہ کیا ہے۔'' (صحيح البخاري: 7416)

⑧ بعض کلمات ایسے ہیں جو علی الاطلاق کسی نہ کسی کمال ہی کو بیان کرتے ہیں۔ ایسے کمال کی موجودگی کو ہمیشہ خوبی سمجھا جاتا ہے اور عدم موجودگی کو ہمیشہ نقص سمجھا جاتا ہے۔ اس قسم کے کلمات اس لائق ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام بھی ہوں اور اس کی صفات بھی ہوں۔ چنانچہ کتاب و سنت میں وارد تمام اسمائے حُسنیٰ اسی ذیل میں آتے ہیں۔

⑨ بعض کلمات ایسے ہیں جو کسی کمال کو تو بیان کرتے ہیں مگر بندہ اس کمال کا کبھی صحیح استعمال کرتا ہے کبھی غلط۔ اس قسم کے کلمات جب اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوتے ہیں تو کمالِ مطلق کو بیان کرتے ہیں، مگر ان کی حیثیت نام کی نہیں ہوتی، بلکہ صفت کی ہوتی ہے۔

لیکن جب یہی کلمات کسی غیر اللہ کے لیے استعمال ہوتے ہیں تو ان میں ہمیشہ خیر نہیں ہوتی کبھی شر بھی ہوتا ہے، مثلاً: کلام کرنا سراسر کمال اور خوبی ہے جبکہ بالکل نہ بولنا یا بول نہ سکنا یا بلاضرورت مسلسل ہی بولتے چلے جانا یقیناً معیوب سمجھا جاتا ہے۔ پھر جب بندہ بولتا ہے تو کبھی اچھی باتیں کہتا ہے کبھی غلط۔ مگر جب یہی صفت اللہ تعالیٰ کے حوالے سے بیان ہوگی تو اس سے ایسا کلام مراد ہوگا جو ہر قسم کے نقص اور عیب سے پاک ہے، چنانچہ ہم بطور صفت تو کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ «المتكلم» ہے مگر «المتكلم» اس کا نام نہیں ہے۔

⑩ بعض کلمات ایسے ہیں جو اگر کسی جملے کے بغیر تنہا استعمال کیے جائیں تو وہ کمال اور خوبی کی خبر نہیں دیتے مگر جب ان کے ساتھ کوئی مناسب قید لگادی جائے تو وہ خیر اور کمال کو بیان کرنے والے بن جاتے ہیں۔ اس قسم کے کلمات بھی اللہ تعالیٰ کا نام نہیں ہوتے اور اگر مناسب قید سے خالی ہوں تو پھر اللہ تعالیٰ کی صفت بھی نہیں ہوتے، البتہ جب ان کے ساتھ مناسب قید لگادی جائے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کی صفت کمال ہوتے ہیں، مثلاً: «اَلْمَاكِرْ» کا کلمہ ہے جس کا معنی ہے ''خفیہ تدبیر کرنے والا۔'' تو تنہا لفظ «الماكر» اس لائق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام یا صفت بن سکے، البتہ جب ہم یہ کہیں گے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ خفیہ تدبیر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ خفیہ تدبیر کرتا ہے اور ہمیشہ اللہ ہی کی خفیہ تدبیر کامیاب ہوتی ہے تو اس تفصیل کے ساتھ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت کمال ہے۔

⑪ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا جو کام کسی سبب کے ساتھ جڑا ہوا ہو اسے اس سبب کے ساتھ جوڑ کر ہی ذکر کرنا چاہیے اس سے الگ کرکے نہیں، مثلاً: ارشاد باری ہے: ﴿نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ﴾ ''وہ اللہ کو بھول گئے تو اللہ انھیں بھول گیا۔'' (التوبة 67:9) اب صرف یہ کہنا نامناسب ہے کہ اللہ انھیں بھول گیا بلکہ پوری بات کا ذکر کرنا ہی مناسب ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کو بھول گئے تو (بطورِ سزا) اللہ انھیں بھول گیا یعنی اللہ تعالیٰ نے انھیں بھلا دیا۔

⑫ بعض کلمات ایسے ہیں جو علی الاطلاق نقص و عیب ہی کو بیان کرتے ہیں۔ اس قسم کا کوئی کلمہ کسی صورت بھی نہ تو اللہ تعالیٰ کا نام ہوسکتا ہے نہ صفت، مثلاً: «اَلْعَاجِزُ» (بے بس) کیونکہ ہر قسم کی بے بسی سے یکسر پاک ہے۔ وہ عاجز نہیں قادر ہے اور قادر ہی نہیں «القدير» بھی ہے بلکہ ﴿عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ہے۔



حافظ شبیر صدیق

رشوت

مذمت، اقسام اور متعدد رائج صورتوں کی نشاندہی

ہمارے ہاں کسی کا کوئی کام کرنے یا کوئی کام نکلوانے کے لیے ''رشوت'' کو ایک ضرورت سمجھ لیا گیا ہے۔ انسداد رشوت کے لیے یہ ایک ادنیٰ سی کاوش ہے۔ اس میں جہاں رشوت دینے اور لینے والے کے لیے نصیحت موجود ہے وہیں عوام الناس کے لیے رشوت کی صورتوں سے متعلق آگاہی بھی موجود ہے تاکہ وہ اپنے آپ کو اس جرم قبیح سے محفوظ رکھ سکیں۔

رشوت کی تعریف

مال یا اشیاء کسی بھی ذمہ دار کو اس ارادے سے دینا کہ ہمارے ناجائز کام کی کوئی جائز صورت نکل آئے یا کسی نااہل کو حقداروں کے مقابلے میں ترجیح مل جائے تو یہ رشوت ہے۔

بعض محدثین نے اس کی مختصر تعریف یہ کی ہے کہ رشوت وہ چیز ہے جو حق کو باطل کرنے کے لیے یا باطل کو حق ثابت کرنے کے لیے دی جائے۔ (تحفة الاحوذی: 471/4)

راشی: رشوت دینے والا، مراد وہ شخص کہ جو اس آدمی کو کچھ دے جو باطل پر اس کی مدد کر رہا ہے۔ کبھی تو یہ شخص خود اپنی مرضی اور خوشی سے رشوت دیتا ہے اور کبھی اسے رشوت دینے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

مرتشی: رشوت لینے والا، مراد وہ شخص جسے رشوت کا مال دے کر کوئی کام نکلوانا مقصود ہو۔ یہ شخص کبھی تو خود رشوت طلب کرتا ہے اور کبھی اسے رشوت کی آفر کی جاتی ہے۔

رائش: وہ شخص جو راشی اور مرتشی کے درمیان معاملات طے کرنے کا کردار ادا کرتا ہے۔ کیونکہ براہ راست رشوت لینا تو اچھا نہیں لگتا۔

رشوت کی اقسام

اگر ہم رشوت کی مختلف اقسام پر غور کرتے ہیں تو بنیادی طور پر دو قسمیں بنتی ہیں:

① اس لیے رشوت دینا کہ اس کے ذریعے حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کیا جائے۔ رشوت کی یہ قسم بدترین قسم اور کبیرہ گناہ ہے۔ اس کے حرام ہونے میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہے۔



② اپنے حق کے حصول کے لیے رشوت دینا یا کسی تکلیف اور ظلم کو اپنے سے ہٹانے کے لیے رشوت دینا۔ یہ رشوت اس وقت دی جائے کہ جب اس حق کو پانے کے لیے رشوت کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ ہو یا پھر اس تکلیف اور ظلم سے بچنے کا اور کوئی ذریعہ نہ ہو۔ رشوت کی اس قسم میں کچھ تفصیل ہے جسے ہم آگے بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ!

ہدیہ: رشوت کی ایک تمہید

شرعی طور پر ہدیہ ایک محبوب چیز ہے۔ قرآن وحدیث میں اس کے فضائل موجود ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «تَهَادَوا تَحَابُّوا» ''تم باہم تحائف کا تبادلہ کیا کرو اس طرح تمھارے درمیان محبت بڑھے گی۔'' (صحيح الأدب المفرد: 235/1) ہدیہ یا تحفہ دینے کی فضیلت بجا مگر اسے حیلہ سازی کے ذریعے رشوت کی بھینٹ چڑھانا ایک غور طلب پہلو ہے۔ رشوت کے رسیا لوگ اپنی خاص زبان میں رشوت ہی کو ہدیے کا نام دیتے ہیں۔

عام طور پر ہوتا یوں ہے کہ جب کسی سے کوئی کام کروانا ہو تو اسے کام کہنے سے پہلے تحفے دے کر اس کا ذہن بنایا جاتا ہے۔ جب بار بار تحفے دینے کے بعد مذکورہ شخص کو مطلوبہ کام کرنے کا کہا جائے گا تو یقینی بات ہے وہ شخص ان تحائف کے دباؤ میں آ کر اس ناحق کام کے کرنے پر بھی مجبور ہو جائے گا۔ اس لیے اہل علم نے اس قسم کے تحائف کو رشوت ہی میں شمار کیا ہے۔ چونکہ تحفہ قبول کرنے والے کے علم میں یہ بات نہیں ہوتی کہ اسے اتنے تحائف سے کیوں نوازا جا رہا ہے اس لیے اس کا گناہ صرف تحفہ دینے والے پر ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث لحہ بہ لحہ سامنے رہنی چاہیے کہ «اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ» ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔'' (صحيح البخاري: 1) ایسی صورت میں ہدیہ دینے والے کی کیا نیت ہے؟ اسے اللہ جانتا ہے۔

رشوت کی مذمت

رشوت یہود کا فعل: قرآن مجید میں اسے یہود ونصاریٰ کا فعل قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ اَكَّالُونَ لِلسُّحْتِ﴾ ''بہت زیادہ جھوٹ کو سننے والے ہیں اور بہت زیادہ حرام کھانے والے ہیں۔'' (المآئدة 42:5) آیت میں مذکور لفظ السحت کا معنی مفسرین نے رشوت کیا ہے۔

رشوت، لعنت کا باعث: رشوت ایسا گناہ ہے جو اللہ کی رحمت سے دوری اور لعنت کا باعث بنتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الرَّاشِي وَالْمُرْتَشِي» ''رشوت دینے اور لینے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت برستی ہے۔'' (سنن ابن ماجه: 2313) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: «لَعْنَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ» ''رسول اللہ ﷺ نے رشوت لینے اور دینے والے، دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔'' (سنن أبي داود: 3580) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے مقدمے میں رشوت لینے والے جج پر لعنت فرمائی ہے۔'' (جامع الترمذي: 1336)

تحائف وصول کرنے والوں کے لیے تنبیہ: جج صاحبان اور افسران بالا کو تحائف سے نوازنا ایک معمول بن چکا ہے۔ ان تحائف کے پیچھے کیا مقاصد ہوتے ہیں یہ سب پر عیاں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسے ہی لوگوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: لوگو! تم میں سے جس کسی کو ہماری طرف سے کوئی عملداری سونپی گئی ہو، پھر اس نے اس کے محاصل میں سے کوئی سوئی یا اس سے بھی کم یا زیادہ کو چھپالیا تو وہ طوق ہے جسے پہنے ہوئے وہ قیامت کے روز حاضر ہوگا۔'' تو کالے رنگ کا ایک انصاری جوان کھڑا ہو گیا، گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! مجھ سے اپنا کام واپس لے لیجیے۔ آپ نے پوچھا: ''کیا ہوا؟'' اس نے کہا: میں نے آپ کو سنا ہے کہ آپ یوں یوں فرما رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''(ہاں!) میں یہی کہتا ہوں۔ جس کو ہم نے کوئی کام سونپا ہو تو اسے چاہیے کہ اس کے محاصل، تھوڑے ہوں یا زیادہ، سب لے آئے۔ اور پھر اس میں سے جو اسے (حق خدمت) دیا جائے وہ لے لے اور جس سے روک دیا جائے اس سے رک جائے۔'' (سنن أبي داود: 3581)

کسی عہدے کی آڑ میں ملنے والے تحائف کی حیثیت کیا ہے؟ اس کی وضاحت رسول اللہ ﷺ نے ایک اور حدیث میں بھی بیان فرمائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «هَدَايَا الْعُمَّالِ غُلُولٌ» ''عاملوں کا تحفے وصول کرنا خیانت ہے۔'' (صحيح الجامع: 103/3)



یہ مال آپ کا اور یہ میرا: اگر کوئی شخص بڑے عہدے پر فائز ہوجائے تو اسے بعض لوگوں کی

سیاسی لیڈران کی طرح مذہبی لیڈران میں بھی رشوت کا ناسور پھیلتا جارہا ہے۔ کسی مذہبی لیڈر یا کسی ادارے کے سربراہ کو جب کہیں دعوت دی جائے تو انتہا درجے کا پروٹوکول دیا جاتا ہے۔

طرف سے تحائف پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ تحائف کیوں دیے جاتے ہیں ان کی حقیقت ہم پہلے بیان کرچکے ہیں۔ ایسا ہی ایک واقعہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں پیش آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو عامل مقرر فرمایا۔ یہ صحابی ابن اتبیہ تھے۔ جب یہ صحابی زکاۃ کا مال لے کر اللہ کے پیغمبر ﷺ کے پاس واپس آئے تو کہنے لگے: ''یہ اتنا مال آپ کا ہے اور یہ مال مجھے تحائف کی صورت میں ملا ہے۔'' اللہ کے پیغمبر ﷺ منبر پر تشریف لائے اور حمد وثنا کے بعد لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''عاملوں کو کیا ہوگیا ہے؟ ہم انھیں کسی جگہ عامل مقرر کرتے ہیں تو جب یہ واپس آتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں: یہ مال آپ کا ہے اور یہ مال میرا ہے جو مجھے تحائف کی صورت میں ملا ہے۔ ایسی باتیں کرنے والا اپنے ماں باپ کے گھر میں بیٹھا رہتا اور پھر دیکھتا کہ کوئی شخص اسے تحفہ دیتا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر کوئی شخص ناحق کوئی چیز لیتا ہے تو قیامت کے دن وہ ایسی حالت میں آئے گا کہ وہی چیز اس کے کندھوں پر سوار ہوگی۔ اگر اس نے اونٹ ناحق لیا ہوگا تو وہ اونٹ اس کے کندھوں پر سوار ہوگا اور آوازیں نکال رہا ہوگا۔ اگر گائے چرائی ہوگی تو وہ اس کے کندھوں پر سوار ہوگی اور بآواز بلند بول رہی ہوگی۔ اگر اس نے بغیر حق کے بکری لی ہوگی تو وہ بکری اس کے کندھوں پر بیٹھی چلا رہی ہوگی۔'' (صحيح البخاري: 7174)

رشوت، مال حرام: کسی شخص کا کام کرنے کے لیے اسے رشوت پر مجبور کیا جاتا ہے۔ ایسا شخص جو کسی مسلمان کو مجبور کرکے اس کا مال ہتھیانے کی کوشش کرتا ہے اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلَّا عَنْ طِيبِ نَفْسٍ» ''کسی کے لیے بھی مسلمان کا مال حلال نہیں ہے مگر وہ مال جو وہ خوشی خوشی دے دے۔'' (صحيح الجامع الصغير: 160/2) اس کا یہ معنی نہیں کہ اگر کوئی خوشی خوشی رشوت دے تو وہ مال حلال ہوگا بلکہ اس کا الگ گناہ ہے۔ حدیث کا معنی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی خوشی سے کوئی کھانے کی چیز یا استعمال کی چیز دے دے تو وہ حلال ہے اور اگر کسی پر کسی قسم کا دباؤ ڈال کر مال ہتھیایا جائے تو وہ حرام ہوگا۔

رشوت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ان کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ جس چیز سے بھی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول منع کردیں اس کو اپنی زندگیوں سے نکال باہر کریں۔ رشوت بھی ایک ایسا جرم تھا جس سے صحابہ کرام نے اپنے آپ کو مکمل طور پر بچائے رکھا۔ اس کی واضح جھلک ذیل کے واقعات میں نظر آتی ہے۔

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو رشوت کی آفر

رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مختلف علاقوں کی طرف عامل بنا کر بھیجا کرتے تھے۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے یہود خیبر کی طرف عامل کی حیثیت سے بھیجا تاکہ یہود کے پاس جو باغات تھے ان کے پھل کا اندازہ لگائیں۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو یہود نے ان کے لیے اپنی عورتوں کا زیور اکٹھا کیا۔ وہ زیور لے کر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہنے لگے: ''یہ تمام زیورات آپ کے لیے ہیں، آپ پھلوں کی مقدار میں ہمارے ساتھ نرمی برتیں۔'' عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اے یہود کی جماعت! اللہ کی قسم! تم میرے نزدیک تمام مخلوق میں سے بدترین لوگ ہو۔ مگر یاد رکھو! میرے دل میں تمھارا یہ بغض مجھے اس بات پر نہیں ابھارے گا کہ میں تم پر ظلم کروں۔ باقی رہا وہ مال جو تم نے رشوت کے طور پر میرے سامنے پیش کیا ہے، یہ حرام ہے۔ اور ہم حرام مال نہیں کھاتے۔'' عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا یہ جواب سن کر یہود



نے کہا: ''یہی وہ عدل و انصاف ہے جس وجہ سے زمین و آسمان قائم ہیں۔'' (السنن الکبریٰ للبیهقی: 257/2)

عمر رضی اللہ عنہ پلان بے نقاب کرتے ہیں

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کا ایک واقعہ کچھ یوں ہے: سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک دن اپنے گھر میں داخل ہوئے۔ گھر میں دیکھا کہ بڑی اچھی قسم کے دو کشن (بیٹھنے کی گدیاں) موجود ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے پوچھا: ''یہ کشن کہاں سے آئے ہیں؟ کیا تم نے یہ خریدے ہیں؟ مجھے سچ سچ بتانا اور کسی قسم کا جھوٹ نہ بولنا۔'' ان کی اہلیہ نے کہا: ''یہ فلاں شخص نے ہمیں بطور تحفہ بھیجے ہیں۔'' یہ فلاں شخص کون تھا؟ اس کی وضاحت بھی اسی روایت میں موجود ہے۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو کسی علاقے کا گورنر بنا کر بھیجا تھا۔ یہ شخص عمر رضی اللہ عنہ سے اپنا کوئی کام نکلوانا چاہتا تھا لیکن امیر عمر رضی اللہ عنہ اس کا یہ کام کرنے کے حق میں نہیں تھے۔ اس گورنر نے اس کا یہ حل ڈھونڈا کہ خاتون اول کو بڑی اعلیٰ قسم کے دو کشن بھجوائے تاکہ ان کی خوشنودی حاصل کرکے اپنا یہ کام نکلوا سکے۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کو جب پتہ چلا کہ اسی گورنر نے تحفے بھجوائے ہیں تو آپ بہت غصے ہوئے اور فرمایا: «قَاتَلَ اللّٰهُ فُلَانًا إِذَا أَرَادَ حَاجَةً فَلَمْ يَسْتَطِعْهَا مِنْ قِبَلِي أَتَانِي مَنْ قِبَلِ أَهْلِي» ''اللہ فلاں شخص کو ہلاک کرے، جب اسے مجھ سے کوئی ضروت پیش آتی ہے اور مجھ سے وہ اپنی ضرورت پوری کروانے کی استطاعت نہیں رکھتا تو پھر وہ میرے اہل خانہ کے ذریعے سے مجھ سے وہ کام کروانے کی کوشش کرتا ہے۔'' اہل خانہ میں سے جو افراد ان گدیوں پر بیٹھے ہوئے تھے سختی سے ان کے نیچے سے کھینچا اور لے کر گھر سے باہر نکل گئے۔ ایک لونڈی دوڑتے ہوئے ان کے پیچھے گئی اور کہا: ان دونوں کے اندر جو روئی ہے وہ ہم نے خود بھری ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے روئی نکال کر ان کو دی اور کشن لے کر چل دیے۔ ان دونوں میں سے ایک کشن مہاجر عورت کو دے دیا اور ایک کشن انصاری عورت کو دے دیا۔ (السنن الکبریٰ للبیهقی: 138/10)

اس واقعے سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اہل خانہ کو دیے گئے تحائف کو بھی رشوت ہی کی ایک صورت تصور کیا اور مذکورہ گورنر نے جو ایک پلان تشکیل دیا تھا اسے بے نقاب کر دیا۔

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سیب ٹھکراتے ہیں

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے واقعے میں افسران بالا اور عہدیداران کے لیے ایک اہم سبق پنہاں ہے۔

ایک دفعہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دل میں سیب کھانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ سیب خریدنے کے لیے جب انھوں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا تو جیب خالی تھی۔ گھر میں بھی اتنی رقم موجود نہ تھی کہ سیب خرید کر اپنی خواہش کی تکمیل کرسکیں۔ وہ اپنے بعض ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک پلیٹ میں سیب رکھ کر انھیں پیش کیے گئے۔ پہلے تو انھوں نے ایک سیب اٹھایا مگر پھر اسے پلیٹ میں رکھ دیا اور جس نے وہ سیب ہدیہ کیے تھے اسے واپس بھجوا دیے۔ انھیں کہا گیا کہ آپ یہ سیب کھا لیں۔ انھوں نے کہا: ''مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' انھیں کہا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما تو ہدیہ قبول کرلیا کرتے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ان عظیم ہستیوں کے لیے یہ تحفے ہی ہوتے تھے مگر ہم جیسے عاملوں کو یہ تحفے رشوت کے طور پر دیے جاتے ہیں۔'' (فتح الباری: 221/5) اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تاریخ اسلام کے عظیم سپوت کس طرح رشوت سے بچ کر رہا کرتے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اسی واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (صحیح البخاري، قبل الحدیث: 2596)

رشوت کے جواز کی صورت

ابتدا میں رشوت کی دو اقسام بیان کی گئی ہیں۔ پہلی قسم تو بالاتفاق حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ دوسری قسم کی پھر دو صورتیں بنتی ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کا حق کسی اور کو دیا جا رہا ہے۔ اگر یہ شخص رشوت دیتا ہے تو اس کا حق اسے مل سکتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص کو کسی ظلم یا تکلیف کا سامنا ہے۔ اس ظلم اور تکلیف سے بچنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ رشوت ہے۔

پہلی صورت کے لیے بعض اہل علم جواز کا فتویٰ دیتے ہیں اور بعض اس سے بھی منع



کرتے ہیں۔ اس بارے میں جو بات زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ اس صورت میں بھی رشوت کے لین دین سے گریز کیا جائے۔ اس لیے کہ اگر اسے جائز قرار دے کر اس کی اجازت دے دی جائے تو رشوت کے مزید پھیلنے کا خدشہ ہے۔ البتہ دوسری صورت کے بارے میں اہل علم جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اگر کسی شخص کو ظلم کا سامنا ہو اور اس سے چھٹکارے کا ایک ہی راستہ ہے کہ رشوت دے کر اس ظلم کا خاتمہ کیا جائے۔ ایسی صورت میں رشوت دی جاسکتی ہے۔ دلیل کے طور پر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول پیش کیا جاتا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حبشہ میں گئے تو وہاں کسی سلسلے میں انھیں پکڑ لیا گیا۔ بہت کوشش کے باوجود جب انھیں رہائی نہ ملی تو انھوں نے دو دینار رشوت دی۔ اس موقع پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: «إِنَّمَا الْإِثْمُ عَلَى الْقَابِضِ دُونَ الدَّافِعِ» ''اس صورت میں گناہ رشوت دینے والے پر نہیں بلکہ رشوت لینے والے پر ہوگا۔'' (الجامع لاحكام القرآن: 184/6، وتحفة الأحوذي: 471/4)

معاشرے میں موجود رشوت کی چند صورتیں

ہم معاشرے میں موجود رشوت کی چند صورتوں کی نشاندہی کرتے ہیں تاکہ ہمیں ان کا علم ہو اور معاشرے کو ان سے پاک کرنے کی کوشش کرسکیں۔

پارٹی لیڈران کو رشوت

پاکستان میں حکومت یا جماعت سازی کے لیے جمہوری نظام رائج ہے۔ ہر پارٹی انتخابات میں اپنے نمائندے ووٹنگ کے لیے نامزد کرتی ہے جو ووٹ لے کر اسمبلیوں تک پہنچتے ہیں۔ جمہوری نظام میں پارٹی لیڈر کے لیے سب سے پہلا مسئلہ نمائندے نامزد کرنا ہوتا ہے۔ پارٹی لیڈر کی نظر میں سرفہرست وہ لوگ ہوتے ہیں جو سب سے زیادہ رشوت کی پیشکش کرتے ہیں۔ پارٹی سسٹم کی مہذب زبان میں اس رشوت کو ''فنڈ'' کا نام دیا جاتا ہے۔ جو کارکن سب سے زیادہ ''فنڈ'' پارٹی لیڈر کے آگے ڈھیر کرتا ہے اسے پارٹی ٹکٹ سے نوازا جاتا ہے۔ یہ رشوت کی پہلی صورت اور پہلا مرحلہ ہے۔ یہ پارٹی ورکر جب اپنے حلقے سے کامیاب ہوجاتا ہے تو پھر رشوت کا دوسرا مرحلہ آتا ہے۔ جو پارٹی حکومت بناتی ہے اس کے کامیاب ممبران کسی بھی وزارت کے حصول کے لیے رشوت دیتے اور یوں وہ کسی ادارے کی باگ ڈور سنبھالتے ہیں۔ تو مخصوص قسم کا یہ فنڈ رشوت کی ایک جدید صورت ہے۔

رشوت کی ایک صورت پروٹوکول

رشوت کی عمومی صورت تو یہ ہے کہ رشوت میں پیسے یا پھر کوئی چیز دی جاتی ہے۔ البتہ آج کل پروٹوکول بھی رشوت کی صورت اختیار کرتا جارہا ہے۔ جب کوئی لیڈر یا عہدیدار اپنے حلقے کے کسی گلی کوچے میں جاتا ہے تو اسے بڑا لمبا چوڑا پروٹوکول دیا جاتا ہے۔ بڑے بڑے بینرز آویزاں کیے جاتے ہیں اور اسٹیج پر بڑے گن گائے جاتے ہیں۔ دراصل اس پروٹوکول کے اندر ایک مقصد اور پیغام پوشیدہ ہوتا ہے۔ اس پروٹوکول کے ذریعے مذکورہ لیڈر کو یہ پیغام دیا جارہا ہوتا ہے کہ اگر آپ اس حلقے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو پھر آپ نے ہماری مرضی کے مطابق کام کرنے ہیں۔ درحقیقت اس پروٹوکول کے پس پردہ ایک مخصوص لابی ہوتی ہے جس کا اپنا مفاد ہوتا ہے۔ گویا یہ پروٹوکول بھی ہمارے ہاں رشوت کی صورت اختیار کرتا جارہا ہے۔

علماء میں رشوت کی صورت

سیاسی لیڈران کی طرح مذہبی لیڈران میں بھی رشوت کا ناسور پھیلتا جارہا ہے۔ کسی مذہبی لیڈر یا کسی ادارے کے سربراہ کو جب کہیں دعوت دی جائے تو انتہا درجے کا پروٹوکول دیا جاتا ہے۔ اس سارے پروٹوکول کے پیچھے فنڈ لینے کا ایک نظریہ اور سوچ کارفرما ہوتی ہے۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس مذہبی شخصیت کو زیادہ سے زیادہ پروٹوکول دے کر زیادہ سے زیادہ فنڈ وصول کیا جائے۔ یا علماء کے خطبے رکھ کر ان کے اشتہار چھپوا کر ان سے اپنے مفادات کے کام لیے جاتے ہیں۔ یوں یہ پروٹوکول ایک رشوت کی صورت اختیار کرجاتا ہے کہ آپ اس مذہبی شخصیت کو پیسہ یا کوئی اور چیز رشوت میں دینے کے بجائے پروٹوکول رشوت میں پیش کررہے ہیں۔ اہل علم میں رشوت کی ایک صورت یہ بھی داخل ہوتی جارہی ہے کہ بعض کمپنیاں یا



ادارے اپنے کاروبار کو حلال کرنے یا اپنی کسی پروڈکٹ کو جائز قرار دینے کے لیے علماء سے فتویٰ طلب کرتی ہیں۔ اس فتوے کے عوض اس عالم دین کو بڑی تعداد میں تحائف سے نوازا جاتا ہے۔

پرائیویٹ سکول انتظامیہ کی رشوت

ہمارے ہاں پرائیویٹ اسکولوں کا ایک وسیع نیٹ ورک پھیلا ہوا ہے۔ چھوٹے لیول سے لے کر بڑے لیول تک کے اسکول موجود ہیں۔ ایسے اسکولوں کی بھی کثرت ہے جو بڑی بھاری بھاری فیسیں وصول کرتے ہیں۔ بھاری فیسوں کے باوجود لوگ گورنمنٹ اسکولوں کے بجائے پرائیویٹ اسکولوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان اسکولوں کی طرف لوگوں کے میلان کی بنیادی وجہ ان کا اچھا رزلٹ ہوتا ہے۔ ایسے اسکول اچھے رزلٹ کے بڑے بڑے بینر آویزاں کر کے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ اب اس اچھے رزلٹ کی اصل کہانی کیا ہے؟ یہ ایک بڑا تلخ سچ ہے۔ ہوتا یوں ہے کہ جب امتحانات ہوتے ہیں تو پرائیویٹ اسکولوں کی انتظامیہ پیپر چیک کرنے والوں کو رشوت دے کر اپنے سکول کا رزلٹ اچھا تیار کرواتی ہے۔ اگرچہ اس بارے میں اب خاصی سختی ہے مگر ماضی میں ایسے ہوتا آیا ہے۔ یہ مصنوعی رزلٹ جب آؤٹ ہوتا ہے تو اس کے بڑے بڑے بینر تیار کروا کر اہم چوراہوں پر آویزاں کروادیے جاتے ہیں۔ اور یہی ان اداروں کی رونق کا باعث بن جاتا ہے۔

اعلیٰ عدلیہ میں رشوت کی صورت

عدلیہ کا شعبہ ہر ملک کا ایک اہم ترین شعبہ ہوتا ہے۔ سلطنت کا ہر باسی انصاف کے حصول کے لیے عدلیہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اگر عدلیہ میں انصاف کا قتل ہو تو پھر قوموں اور ملکوں کا وجود خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ انصاف کے قتل کی بنیادی وجہ رشوت ہوتی ہے چاہے وہ کسی بھی صورت میں ہو۔ چھوٹی موٹی ضلعی عدالتوں میں انصاف کا ہیر پھیر ایک معمولی بات ہے۔ پیسے والی پارٹی جج کو رشوت دے کر فیصلہ اپنے حق میں کروالیتی ہے۔ البتہ اعلیٰ عدلیہ میں رشوت دینا تھوڑا مشکل ہوتا ہے۔ اس لیے وہاں مختلف حیلے بہانے تلاش کر کے جج صاحبان کو اپنی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔ اگر معاملہ دو سیاسی پارٹیوں کے مابین ہو تو پھر پارٹی کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ جج سے اپنی مرضی کا فیصلہ کروائے۔ چونکہ ایسے مقدمات کی سماعت میڈیا کے سامنے ہوتی ہے اس لیے ہر پارٹی رشوت کا ایک نیا طریقہ اختیار کرتی ہے۔ اندر ہی اندر جج صاحب کو عہدے کی پیشکش کردی جاتی ہے کہ فلاں فیصلہ آپ ہمارے حق میں کردیں، لہٰذا جب آپ ریٹائر ہوں گے تو ہم آپ کو پارٹی میں فلاں عہدے پر فائز کردیں گے۔ تو یہ بھی رشوت کی ایک صورت ہے جو اعلیٰ عدلیہ میں اختیار کی جاتی ہے۔ گویا منصب بھی بطور رشوت دیے جاتے ہیں۔

میٹر ریڈر کی مصنوعی چھاپہ مار ٹیمیں

بعض لوگ بڑے ڈرپوک ہوتے ہیں۔ وہ حق پر ہونے کے باوجود بھی خوف کا شکار رہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جرائم پیشہ افراد کو اور حوصلہ ملتا ہے اور وہ مختلف طریقوں سے انھیں لوٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کا ایک طریقہ مصنوعی چھاپہ مار ٹیمیں ہیں۔ ہوتا یوں ہے کہ میٹر ریڈر کو اس چیز کا بخوبی علم ہوتا ہے کہ کس گھر، ادارے، فیکٹری یا ہوٹل میں بجلی یا گیس زیادہ استعمال ہوتی ہے اور کس میں کم۔ اب میٹر ریڈر اپنی ایک مصنوعی ٹیم تشکیل دے کر گھروں، اداروں اور فیکٹریوں پر چھاپے مروا کر انھیں حراساں کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ انھیں دھمکی دی جاتی ہے کہ آپ بجلی چوری کررہے ہیں اس لیے آپ کا میٹر کاٹ دیا جائے گا۔ اب یہ گھر، فیکٹری یا ہوٹل والے اس ٹیم کے شر سے بچنے کے لیے مطلوبہ لائن مین (میٹر ریڈر) سے رابطہ کرتے ہیں۔ میٹر ریڈر تو پہلے ہی اس انتظار میں ہوتا ہے کہ فیکٹری یا ہوٹل مالکان اس سے رابطہ کریں۔ اب ان کے درمیان معاملات طے ہوتے ہیں۔ میٹر ریڈر ان کے ساتھ ماہانہ رقم طے کرتا ہے اور انھیں اس بات کی یقین دہانی کراتا ہے کہ اب یہ چھاپہ مار ٹیم نہیں آئے گی۔ یوں یہ ماہانہ رشوت کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے جو میٹر ریڈر اور مصنوعی چھاپہ مار ٹیم کے افراد کے درمیان تقسیم ہوتی ہے۔ پھر ظلم کی انتہا ہوتی ہے اور یہی میٹر ریڈر وہ اضافی یونٹ کسی اور کے کھاتے میں ڈال دیتا ہے۔

خفیہ رازوں کی رشوت

رشوت کی ایک صورت دشمن ممالک کو خفیہ



رازوں کی اطلاع دینا بھی ہے۔ مختلف لسانی تنظیمیں اپنے مفادات کی خاطر دشمن ملکوں کو خفیہ رازوں سے آگاہ کردیتی ہیں۔ راز فاش کرنے میں ان کا مقصد دشمن ممالک سے اپنے مفادات کا حصول ہوتا ہے۔ وہ مفادات کسی بھی قسم کے ہوسکتے ہیں۔ اپنے مفاد کی خاطر دشمن کو خفیہ راز بتانا یہ بھی رشوت کی ایک صورت ہے۔ ہمارے ہاں لسانی تنظیموں کے دشمن ممالک کی خفیہ ایجنسیوں کے ساتھ روابط کی خبریں اخبارات کی زینت بنتی رہتی ہیں۔ لہٰذا یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلام اور ملک دشمن ایسی تنظیموں کا خاتمہ کرے۔

پولیس گردی

رشوت کے ضمن میں اگر محکمہ پولیس کی رشوت ستانی کا ذکر نہ کیا جائے تو یہ اس محکمے کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔ محکمہ پولیس کی رشوت خوری تو بڑی معروف چیز ہے۔ چاہے یہ ٹریفک پولیس ہو یا محافظ پولیس، پولیس کا کوئی بھی محکمہ اس ''لت'' سے بچا ہوا نہیں ہے۔

ہمارا مقصد اس محکمے کو بے عزت کرنا نہیں بلکہ صاحب اقتدار طبقے کے آگے التجا کرنا مقصود ہے کہ خدارا! اس محکمے کی بھی اصلاح کیجیے اور رشوت جیسے گھناؤنے جرم سے اس محکمے کو پاک کیجیے۔ البتہ کچھ لوگ اس محکمے میں آپ کو دیانت دار بھی ملیں گے لیکن وہ آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ بہرحال اس محکمے میں رشوت کی جو صورتیں پائی جاتی ہیں ان میں رشوت لے کر قیدیوں کو فرار کرانا، ملزم سے رشوت لے کر اسے پکڑنے ہی نہ جانا، فریق اول سے رشوت لے کر فریق ثانی کے بندے کو سزا دینا، گاڑی والوں سے رشوت لے کر چالان نہ کرنا وغیرہ سرفہرست ہیں۔

سرکاری ہسپتالوں میں رشوت

محکمہ صحت کی جانب سے سرکاری ہسپتالوں کو تمام ادویات مفت دی جاتی ہیں تاکہ عوام الناس کو علاج کے لیے کسی قسم کی مشکل پیش نہ آئے۔ لیکن ہمارے ہاں سرکاری ہسپتالوں میں ادویات کا حصول بھی ناممکن بنتا جارہا ہے۔ ڈاکٹر حضرات پہلے ہی مریض کو اس بات سے آگاہ کردیتے ہیں کہ ہسپتال سے یہ دوائی نہیں ملنی باہر کسی سٹور سے لے لیں۔ اگر کوئی ہسپتال سے دوائی لینے کی کوشش کرتا ہے تو اسے گھٹنوں ذلیل ہونا پڑتا ہے۔ البتہ جو شخص ''اسٹور انتظامیہ'' کی مٹھی گرم کردیتا اسے بڑے احسن انداز سے دوائی دے کر رخصت کردیا جاتا ہے۔ ایسی صورت حال دیکھ کر اکثر مریض اسی میں عافیت سمجھتے ہیں کہ باہر کسی سٹور سے ہی دوائی لے لی جائے۔ یاد رہے سرکاری ہسپتالوں میں بھی رشوت کی بہت ساری صورتیں پائی جاتی ہیں۔ حکومت وقت کا یہ فرض ہے کہ صحت جیسے اس اہم شعبے سے، جہاں لوگ موت و حیات کی کشمکش میں ہوتے ہیں، رشوت کے ناسور کا خاتمہ کرے۔

رشوت روکنے کے طریقے

اسلام کا اہل ایمان پر یہ بڑا احسان ہے کہ اگر انھیں گناہوں سے متنبہ کیا ہے تو معاشرے سے گناہوں کے خاتمے کا حل بھی بتایا ہے۔ رشوت گناہ کبیرہ ہے۔ شرعی نصوص کے ساتھ ساتھ کچھ عقلی طریقے بھی ہیں جو رشوت کی روک تھام کے لیے بہت کارگر ثابت ہوسکتے ہیں۔ چند ایک نصوص اور طریقے درج ذیل ہیں:

خوف الٰہی: جب بندے کے دل میں گناہ کا خیال پیدا ہو تو اسے یہ سوچ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے اور اس کے دل کے خیالات بھی جانتا ہے۔ اگر میں نے گناہ کیا تو اللہ تعالیٰ مجھے کسی بھی وقت میرے اس گناہ کی سزا دے سکتا ہے۔ یوں اسے اپنے دل میں اللہ کا ڈر اور خوف پیدا کرنا چاہیے۔ اس کے ساتھ ہی اسے یہ بھی یقین ہونا چاہیے کہ اگر میں اللہ کے ڈر کی وجہ سے رشوت چھوڑتا ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے ضرور اس کا نعم البدل عطا فرمائے گا۔ اسی بات کا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا﴾ ''اور جو اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے نکلنے کا کوئی راستہ بنادے گا۔'' (الطلاق 2:65)

توبہ: اگر کوئی شخص اس گھناؤنے جرم کا ارتکاب کرتا رہا ہے مگر اب وہ اس سے چھٹکارا چاہتا ہے تو شریعت میں اس کا حل بھی موجود ہے۔ ایسے شخص کے لیے توبہ کا دروزہ کھلا ہے۔ اکثر لوگ یہ سوچ کر گناہ میں ملوث رہتے ہیں کہ ہم نے بہت گناہ کیے ہیں ہماری بخشش کہاں ہوگی؟ ایسے افراد کو یہ سمجھانا چاہیے کہ ان کے لیے ہر لمحہ بخشش کا دروازہ کھلا ہے۔ حدیث



قدسی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ابن آدم! اگر تیرے گناہوں کے انبار ہوں اور پھر تو مجھ سے گناہوں کی بخشش طلب کرلے تو میں پھر بھی تجھے بخش دوں گا اور مجھے کوئی پروانہیں ہوگی۔''

(جامع الترمذي: 3540)

جیل کی سیر: جرائم کی روک تھام کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں۔ رشوت بھی ایک بہت بڑا جرم ہے۔ انسداد رشوت کے لیے حکومت وقت کو مختلف پلان تشکیل دینے چاہئیں۔ پڑوسی ملک چین میں اسی طرح کا ایک پروگرام ترتیب دیا گیا۔ یہ پروگرام انسداد رشوت کا حصہ تھا۔ پروگرام کے تحت فوج اور سول افسران بالا کو ایک جیل کی سیر کرائی گئی۔ جیل میں ان کی ملاقات ان قیدیوں سے کروائی گئی جو کچھ عرصہ قبل انھی افسران کے ساتھ ڈیوٹی انجام دے رہے تھے۔ ان قیدی افسران کا جرم یہ تھا کہ یہ عوام الناس سے رشوت وصول کرتے تھے۔ انھیں اس جرم کی پاداش میں جیل کی زندگی گزارنا پڑ رہی تھی۔ سیر کے دوران مذکورہ افسران کو ان قیدیوں کے جرم کے بارے آگاہ کیا گیا۔ ان افسران کو جیل کی سیر کرانے کا مقصد تنبیہ کرنا تھا۔ ان کے ذہنوں میں یہ بات ڈالنا مقصود تھا کہ اگر وہ بھی اس جرم کا ارتکاب کرتے ہیں تو ان کا ٹھکانہ بھی یہی جیل ہوگی۔ یہ ایک ایسا طریقہ تھا کہ افسران بالا کو جرم کی صورت میں ان کا اگلا ٹھکانہ دکھادیا گیا تھا۔ ظاہر بات ہے اب کوئی بھی افسر رشوت لینے سے پہلے سو بار سوچے گا کہ وہ رشوت لے یا نہ لے اور اسے یہ بھی پتہ ہوگا کہ وہ پکڑے جانے کی صورت میں جیل کا قیدی بن جائے گا۔ ہمارے ہاں بھی ایسے پروگرام تشکیل دیے جانے چاہئیں۔ البتہ ہمارے ہاں ایک مسئلہ اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ ہمارے ہاں سیر کرنے والے تو بہت ہیں مگر اس طرح کی سیرگاہ ابھی تک وجود میں نہیں آئی ہے کہ جہاں انھیں سیر کرائی جائے۔ لہٰذا ایسے پروگرام تشکیل دینے سے پہلے حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ رشوت خوروں کو پکڑ کر پہلے ایسی ''سیرگاہ'' تعمیر کرے اور پھر بعد والوں کو اس کی سیر کرائی جائے۔

رشوت خوروں کی شکایت: ہمارے ہاں یہ ایک المیہ ہے کہ اگر ہم سے کوئی رشوت طلب کرتا ہے تو ہم انسداد رشوت سیل کو اس کی اطلاع دینے کے بجائے اپنا کام نکلوانے کی کرتے ہیں۔ اگر کوئی یہ جرأت کرتا ہے تو اس کے ذہن میں مختلف سوالات جنم لیتے ہیں۔ پہلا خیال تو یہ آتا ہے کہ اگر ہم اس کی اطلاع کریں تو اس کو کون سا کسی نے پوچھنا ہے، بڑے افسر بھی ان کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ دوسرا خیال یہ آتا ہے کہ پتہ نہیں ہماری شکایت کوئی سنے گا بھی کہ نہیں۔ تیسرا خیال یہ آتا ہے کہ اگر ہمیں پذیرائی حاصل نہ ہوئی تو ایسے ہی وقت ضائع ہوگا۔ چوتھا خیال یہ آتا ہے کہ اگر اس رشوت خور کو پتہ چل گیا کہ فلاں شخص نے میری شکایت کی ہے تو پھر کیا بنے گا؟ ایسا نہ ہو کہ یہ ضد میں آکر ہمارا کام ہی نہ کرے۔ پانچواں اور آخری شیطانی خیال جو اپنا اثر دکھاتا ہے وہ یہ ہوتا ہے کہ اگر تھوڑی بہت رشوت دے کر کام ہو رہا ہے تو کروالو، خوامخواہ کسی پنگے میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے!!! جونہی یہ خیالات ہمارے ذہن میں آتے ہیں تو ہم حکومت وقت کی جانب سے انسداد رشوت کے لیے کی گئی تمام کوششوں کا ستیاناس کردیتے ہیں۔ ہم حکومت کی امیدوں پر پانی پھیرتے ہیں اور اپنے فرض سے تہی دست ہوتے ہوئے اپنے مفاد کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہی وہ خیالات ہیں جو ان جرائم پیشہ افراد کا حوصلہ بڑھاتے ہیں اور انھیں اپنے اس جرم میں مزید ''ترقی'' کی راہیں دکھاتے ہیں۔

رشوت کا وبال

ہر برے کام کا انجام کار بھی برا ہی ہوتا ہے۔ شرعی دلائل کی روشنی میں یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ رشوت ایک بدترین فعل ہے۔ جہاں دنیا میں اس کے برے نتائج سامنے آتے ہیں وہیں قیامت کے دن بھی یہ فعل بد بڑے خسارے کا باعث ہوگا۔ رشوت کے ذریعے کمایا ہوا سارے کا سارا مال ''مالِ حرام'' ہے۔ اگر حلال مال میں ذرہ برابر بھی حرام مال شامل ہوجائے تو پورے مال سے برکت اٹھ جاتی ہے۔ یہ رشوت کا وبال ہی ہے کہ رشوت کے مال سے دیا ہوا صدقہ یا قربانی بھی قابل قبول نہیں ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ صَدَقَةً مِنْ غُلُولٍ» ''اللہ تبارک وتعالیٰ خیانت کے مال سے صدقہ قبول نہیں کرتا۔'' (سنن أبي داود: 59) اسی طرح حرام کھانے والے کی دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔



آپ کے سوال اور ان کے جواب

ابوالحسن حافظ عبدالخالق

سوال کیا عورت نماز میں عورتوں کی امام بن سکتی ہے یا نہیں؟ بعض علماء اس کی امامت جائز نہیں سمجھتے۔

عورت کی امامت کی مشروعیت

جواب اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے لیکن دلائل کی روشنی میں حق یہ ہے کہ عورت عورتوں کی امامت کرا سکتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ پہلی صف میں ان کے ساتھ برابر کھڑی ہو۔

① ام ورقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں آتا ہے: «وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يزورها في بيتها، وجعل لها مؤذناً يؤذن لها وأمرها أن تؤم أهل دارها» ''رسول اللہ ﷺ ان کی ملاقات کے لیے ان کے گھر جاتے، آپ علیہ السلام نے ان کے لیے ایک موذن مقرر کیا ہوا تھا جو اذان دیتا تھا، اور آپ نے انھیں حکم دیا تھا کہ وہ اپنے گھر والوں (عورتوں) کی امامت کرائیں۔''

(سنن أبي داود، حديث: 592، دارقطنی والحاكم:203/1، وعنه البيهقي و ابن خذيمة (1676)، علامہ البانی وغیرہ نے حسن کہا ہے، تفصیل ملاحظہ ہو، (صحيح أبي داود (مفصل) حديث: 606)

سنن الدارقطنی میں بسند حسن یہ اضافہ بھی ہے: «وتَؤُمُّ نِسَائَهَا» ''کہ وہ گھر کی عورتوں کو امامت کرائیں۔'' معلوم ہوا عورت صرف عورتوں کی امام بن سکتی ہے مردوں کی نہیں جیسا کہ بعض روشن خیالوں کا نقطۂ نظر ہے۔

② امام عطاء سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق فرماتے ہیں: «أنها كانت تؤذن وتقيم وتوم النساء وتقوم وسطهن» ''عائشہ رضی اللہ عنہا اذان و اقامت کہہ لیا کرتی تھیں اور عورتوں کی امامت بھی کرتیں اور ان کے درمیان کھڑی ہوتیں۔'' (المستدرك للحاكم:203/1، السنن الكبرىٰ للبيهقي: 408/1) شیخ البانی نے اسے قوی کہا ہے، (تمام المنة، ص:153) مزید ملاحظہ ہو: (سلسله ضعيفه: 271/2)

③ ریطہ حنفیہ کہتی ہیں: «أمتنا عائشة فقامت بينهن في الصلاة المكتوبة» ''ہمیں عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرض نماز پڑھائی اور ہمارے درمیان میں کھڑی ہوئیں۔'' (مصنف عبدالرزاق: 141/3، دارقطنی: 404/1، حديث: 1429، سنن البيهقي:131/3 وسنده حسن) امام عجلی نے ریطہ کو ثقہ کہا ہے۔

④ حجیرہ بنت حصین کہتی ہیں: «أمتنا أم سلمة في صلاة العصر قامت بيننا» ''ہمیں ام سلمہ نے نماز عصر پڑھائی اور ہمارے درمیان کھڑی ہوئیں۔'' اس اثر کی تائید مزید ام الحسن کے اثر سے بھی ہوتی ہے کہ

انھوں نے ام سلمہ کو عورتوں کی امامت کرتے دیکھا، تو وہ صف کے درمیان کھڑی ہوئیں۔

المختصر مذکورہ آثار کی ایک دوسرے سے تائید ہوتی ہے اس لیے شیخ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: «فهذه الآثار صالحة للعمل بها» ''یہ تمام آثار قابل عمل ہیں۔'' تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایے: (تمام المنة، ص: 153-154)

غرض عورت عورتوں کی امامت کراسکتی ہے اور پہلی صف کے درمیان میں کھڑی ہوگی آگے مصلے پر نہیں، اس کی تصدیق عام محدثین کی تبویبات سے بھی ہوتی ہے۔ مذکورہ موقف کی تائید بعض تابعین و علماء کے آثار سے بھی ہوتی ہے۔

امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «تؤم المرأة النساء في صلاة رمضان تقوم معهن فی صفهن» ''عورت عورتوں کو رمضان المبارک میں نماز پڑھائے، ان کے ساتھ وہ صف میں کھڑی ہو۔'' (ابن ابي شيبه، اثر نمبر 4955، وسنده صحيح، عنعنة هشيم عن حصين محمولة على السماع، ذكره الشيخ الزبير، مقالات، ص: 246/1)

ابن جریج سے بسند صحیح مروی ہے، فرماتے ہیں: «تؤم المرأة النساء من غير أن تخرج أمامهن ولكن تهاذي بهن فی المكتوبة والتطوع» ''عورت عورتوں کی امامت کرائے گی، تو ان کے آگے نہیں نکلے گی بلکہ فرض و نفل میں ان کے برابر ہی کھڑی ہوگی۔'' (مصنف عبدالرزاق: 140/3)

معمر بن راشد رحمہ اللہ سے بسند صحیح منقول ہے، فرماتے ہیں: «توم المرأة النساء في رمضان وتقوم معهن فی الصف» ''رمضان میں عورت عورتوں کو امامت کرائے اور ان کے ساتھ صف میں کھڑی ہو۔'' (مصنف عبدالرزاق: 140/3)

پھر چونکہ مرد عورت شرعی احکام میں یکساں حیثیت کے حامل ہیں الا کہ فرق کی کوئی دلیل موجود ہو، اس لیے بھی عورت عورتوں کی امام بن سکتی ہے، نواب صدیق حسن رحمہ اللہ لکھتے ہیں: «ثم الظاهر أن النساء كالرجال لأنهن شقائقهن» ''پھر ظاہر بات یہ ہے کہ عورتیں مردوں کی طرح ہیں کیونکہ یہ شقائق الرجال ہیں۔'' (الروضة: 79/1)

تیسری بات یہ ہے کہ عورت کی امامت سے منع کی کوئی دلیل بھی معلوم نہیں۔ یاد رہے عورت عیدین کے مواقع پر الگ سے نمازِ عید نہیں پڑھا سکتی، کیونکہ انھیں بھی مردوں کے ساتھ اجتماع عام میں حاضر ہونے کا حکم ہے۔

سوال کیا بہو پر شوہر کے حقوق اور اس کی خدمت بجالانے کے علاوہ اس پر دیگر گھریلو ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں، نیز کیا اس کے لیے ساس، سسر کی خدمت کرنا بھی واجب ہے؟

گھریلو ذمہ داریاں اور ساس سسر کی خدمت

جواب ساس، سسر کی خدمت کے وجوب کی کوئی خاص دلیل تو نظر سے نہیں گزری، البتہ یہ معاشرتی اقدار اور ہمارے عرف کا تقاضا ضرور ہے، بالخصوص جب خاوند کا جائز حد تک والدین کی خدمت کا تقاضا ہو۔ ذہن میں رہے خاوند کی اطاعت فرض ہے بشرطیکہ شرعاً کسی معصیت کا حکم نہ دے، اور مرد کا اپنی بیوی کو والدین کی خدمت کا پابند کرنا یقیناً نافرمانی اور معصیت نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کو فرض قرار دیا ہے، تو شوہر کا بیوی کو اس کا پابند کرنا بالواسطہ احسان بالوالدین کے زمرے میں آتا ہے، لہٰذا اگر بیوی اس خدمت سے انحراف یا بغاوت اختیار کرتی ہے تو جہاں میاں بیوی کے درمیان باہمی عداوت اور نفرت جنم لے گی وہاں عورت خاوند کی حکم عدولی کی وجہ سے گناہ گار بھی ہوگی۔

زمانۂ نبوت میں عرب معاشرے کا یہی عرف تھا، عورت جہاں خاوند کی خدمت کو ایک اہم فریضہ سمجھتی وہاں گھریلو ذمہ داریاں بھی بخوبی سرانجام دیتی، صحابیات رضی اللہ عنہن کا یہی طریقہ تھا۔ معلوم نہیں کہ کسی صحابیہ نے خاوند کے حقوق کی بجا آوری کا دم تو بھرا ہو لیکن باقی گھریلو کام کاج یا ساس، سسر کی خدمت سے منحرف ہوئی ہو، جنتی عورتوں کی سردار، بنت الرسول سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا خود گھر کا کام کاج کرتیں، صفائی ستھرائی خود کرتیں یہاں تک کہ چکی پر خود ہی آٹا پیستیں۔ حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ کام کاج یا ہاتھ کی چکی پر پسائی کی وجہ سے سخت مشقت اٹھاتیں اور ہاتھوں پر چھالے بھی نکل آتے۔ خلیفۃ الرسول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی اسماء رضی اللہ عنہا

سیدنا زبیر کی زوجیت میں تھیں۔ ان کے پاس کوئی زر و زمین یا نوکر چاکر نہ تھے، تو وہ خود ہی اونٹ پر پانی ڈھوتیں، ان کے گھوڑے کی دیکھ بھال کرتیں اور اسے چارہ بھی ڈالتی تھیں۔ (صحيح البخاري، حديث: 5224)

تو کیا خاوند کے والدین کی حیثیت اس سے بھی کم ہے۔ بہرحال عورتوں کے لیے خاوندوں کے دل جیتنے کے مختلف اسباب ہیں، ان میں سے ایک اہم بنیادی سبب شوہر کے والدین کی بحسن نیت خدمت کرنا بھی ہے۔ یہ سب متواضع اور عاجز عورت کے لیے تو بڑا آسان نسخہ ہے۔

محترم محمد اقبال کیلانی حفظہ اللہ لکھتے ہیں: ''نئے گھر میں آنے والی خواتین کو یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ عاجزی، انکساری، تواضع، خلوص، ایثار اور وفا شعاری جیسے اوصاف ہمیشہ نیک نامی اور عزت کا باعث بنتے ہیں، جبکہ غرور، تکبر، خود پسندی اور خودغرضی جیسے اوصاف ہمیشہ بدنامی، ذلت اور رسوائی کا باعث بنتے ہیں۔'' (طلاق کے مسائل، ص:17)

سوال وضو شروع کرنے سے پہلے بعض حضرات کو شرمگاہ پر پانی کے چھینٹے پھینکتے دیکھا گیا ہے، اس عمل میں کس حد تک صداقت ہے؟ کیا یہ عمل صحیح ہے؟ اور اس کی وجہ کیا ہے؟ سنت نبوی کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔ (سائل: حامد محمود، رحیم یار خان)

شرمگاہ پر پانی کے چھینٹے مارنے کی مشروعیت

جواب وضو سے قبل شرمگاہ پر چھینٹے مارنا مسنون نہیں، اس کی کوئی دلیل نہیں ملتی، مسنون یہ ہے کہ انسان وضو مکمل کرنے کے بعد پانی کا ایک چلو اپنی شرمگاہ پر بہالے یا اس کے چھینٹے مار لے جیسا کہ سنن ابو داود وغیرہ میں آتا ہے۔

ابن ماجہ کی حسن درجے کی حدیث میں ہے کہ حکم بن سفیان ثقفی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے وضو کیا پھر پانی کا ایک چلو لیا اور اسے اپنی شرمگاہ پر چھڑک لیا، متن حدیث یہ ہے: «أنه رأى رسول اللهﷺ توضأ ثم أخذ كفًّا من ماء فنضح به فرجه» (سنن أبي داود، حديث: 168، و سنن ابن ماجه، حديث: 461) سنن النسائی میں کفًّا کی بجائے حفنہ کے الفاظ آتے ہیں، معنی چلو ہی کے ہیں۔ اسی طرح اس مفہوم کی حدیث سیدنا جابر سے بھی سنن ابن ماجہ (464) میں مروی ہے۔ یہ بھی اپنے دیگر شواہد کی بنا پر حسن ہے۔

چند ملحوظات

① تکمیل وضو کے بعد شرمگاہ پر چھینٹے مارنا سنت ہے۔

② حدیث میں لفظ 'فرجہ' استعمال ہوا ہے، اس لیے متبادر مفہوم یہ ہے کہ براہِ راست شرمگاہ پر چلو پھینکا جائے، تہبند کی صورت میں یہ عمل آسان ہے، ظاہر الفاظ کا لحاظ رکھتے ہوئے شلوار وغیرہ کی صورت میں بھی اس کے اندر ہی سے شرمگاہ پر چلو بہانے کی کوشش کی جائے، جبکہ عموماً دیگر علماء کا خیال یہ ہے کہ شلوار وغیرہ کا اوپر والا حصہ ہی مراد ہے لیکن ظاہر الفاظ سے اس کی تائید نہیں ہوتی، ہاں اس معنی کا احتمال ممکن ہے۔

حکمت کیا ہے؟

③ اس سنت کی حکمت کیا ہے؟ کسی صحیح یا صریح حدیث سے علت و حکمت معلوم نہیں ہو سکی، عموماً یہی کہا جاتا ہے کہ پیشاب کے قطروں یا وسوسوں کے دفعیہ کے لیے ایسا کیا جاتا ہے، لیکن یہ علت جس روایت میں آتی ہے وہ روایت ضعیف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے وضو کرنے کا طریقہ بتایا اور حکم دیا کہ میں وضو کے بعد آجانے والے پیشاب (کے قطروں کے شبہ سے بچنے) کے لیے کپڑے کے نیچے چھینٹے مار لیا کروں۔''

(سنن ابن ماجه، حديث: 462، وسنده ضعيف لضعف ابن لهيعة)

بہرحال ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ جو آدمی تندرست ہو اور سلس البول کا مریض بھی نہ ہو، پیشاب سے اچھی طرح فراغت کے بغیر ہی کھڑا ہو جاتا ہو اور اسے وضو کرنے کے بعد یا اثنائے نماز قطرہ گرنے کا یقین بھی ہو تو ایسے آدمی کو چھینٹے یا پانی کا چلو کفایت نہیں کرے گا بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ پیشاب سے آلودہ مقام دھوئے اور پھر وضو کر کے نماز پڑھے کیونکہ پیشاب نجس اور پلید ہے، خواہ قطرہ ہو یا اس سے زیادہ پیشاب۔ کیونکہ کوئی شرعی عذر نہیں ہے، اور جو سلس البول کا مریض ہو اطمینان قلب کے لیے اسے اس عمل کو بجا لانے میں کوئی حرج نہیں، واللہ اعلم۔

سوال ایسا مسلمان موحد اور نمازی شخص جس کی داڑھی چھوٹی ہو، یعنی خط کرواتا ہو یا بالکل داڑھی نہ ہو تو اسے اس کی تمام عبادات کا ثواب ملتا

ہے یا نہیں؟ یا اس کے ثواب میں اللہ پاک کی طرف سے کوئی کمی رکھی جاتی ہے؟ (سائل: حامد محمود، رحیم یار خان)

جواب اسلام میں داڑھی مونڈنا اگرچہ گناہِ کبیرہ اور ایسا شخص فاسق اور رسول اللہ ﷺ کا نافرمان ہے لیکن اگر وہ دیگر عبادات ان کے واجبات و شرائط اور شرعی تقاضوں کے مطابق ادا کرتا ہے تو یقیناً اسے ان کا اجروثواب ملے گا، کوئی ایسی دلیل نہیں ملتی جس کی بنا پر یہ کہا جاسکے کہ دیگر عبادات کی قبولیت کا دارومدار داڑھی رکھنے پر ہے، اگرچہ یہ عمل فی نفسہ حرام اور ناجائز ہے اور اللہ و رسول کی علانیہ معصیت ہے۔

وہ گناہ اور معصیتیں یا ایسے اعمالِ بد جن کی موجودگی میں دیگر عبادات قبول نہیں ہوتیں یا ان کے ثواب میں کمی واقع ہوتی ہے مختلف احادیث میں ان کی تصریح ملتی ہے، ان میں داڑھی مونڈنے کا ذکر نہیں ملتا، وہ چند اعمال ملاحظہ فرمائیے:

① شرک ② ارتداد ③ کفر ④ ریاکاری ⑤ نفاق اعتقادی ⑥ آخرت کا جھٹلانا ⑦ اللہ اور رسول کی مخالفت کرنا ⑧ بلا وضو نماز پڑھنا ⑨ نماز میں قومہ، جلسہ، رکوع و سجود پورا نہ کرنا ⑩ فرض نماز کے ہوتے ہوئے نوافل پڑھنا ⑪ بھگوڑے غلام کی نماز قبول نہ ہونا، یعنی ثواب سے محروم رہنا ⑫ ننگے سر بالغ عورت کی نماز کا نہ ہونا ⑬ کاہن، نجومی اور عرّاف کے پاس جانے سے چالیس راتوں تک نماز کا قبول نہ ہونا ⑭ چھپ چھپ کر اور خلوتوں میں محارم کا ارتکاب کرنا ⑮ حرام کمائی کھانا ⑯ بلاضرورت، شوقیہ کتا پالنا، جس سے اجر میں روزانہ ایک قیراط کے بقدر ثواب میں کمی واقع ہوتی رہتی ہے ⑰ بدعتی کے اعمال اور عبادات قبول نہیں ہوتیں۔ اس کے علاوہ مزید کچھ اور بداعمالیاں یا ایسی معصیتیں ہیں جن کی وجہ سے انسان کے اعمال یا کچھ مخصوص عبادات قبول نہیں ہوتیں یا پھر قبول تو ہوتی ہیں لیکن ثواب کم ملتا ہے یا سرے سے ملتا ہی نہیں، غرض ان میں داڑھی مونڈنے کا ذکر نہیں ملتا۔

مذکورہ بالا معاصی کے دلائل کے لیے مبطلاتِ اعمال کے موضوع پر لکھی گئی کتب ملاحظہ کی جاسکتی ہیں، مثلاً: شیخ سلیم عید ہلالی کی کتاب اور اردو میں مولانا محمد ارشد کمال صاحب کی کتاب بھی موجود ہے۔

اہل سدوم کے عمل کی شرعی سزا؟

ایک حدیث کے بارے میں وضاحت

مولانا مفتی عبدالولی خان (دارالسلام)

حدیث: «مَنْ وَجَدْتُمُوهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُولَ بِهِ» ''جسے تم عمل قوم لوط کرتے ہوئے پاؤ تو کرنے والے اور جس کے ساتھ یہ فعل کیا جائے اسے قتل کردو۔'' (سنن أبي داود: 4462، والمنتقى لابن الجارود: 820)

یقیناً قوط لوط کا عمل کبائر اور فواحش مُحرّمہ میں سے ہے اور یہ اس طرح حرام ہے جس طرح خنزیر کا گوشت، مردار، خون، شراب، زنا اور دیگر معاصی۔ جو شخص اس عمل بد کو یا ان مذکورہ چیزوں میں سے کسی بھی فعل کو حلال سمجھے وہ کافر ہے اور اس کا خون بشروطہ حلال ہے، جیسا کہ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے المحلّٰی 12/388 میں فرمایا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کی مذمت قرآن مجید میں بیان فرمائی ہے: ﴿وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ''اور (ہم نے بھیجا) لوط کو جب اس نے اپنی قوم سے کہا: یقیناً تم البتہ ایسی فحاشی کرتے ہو کہ جہاں والوں میں سے کسی نے بھی اس فعل کو تم سے سبقت نہیں کی۔'' (العنکبوت 28:29)

تمام مسلمانوں، راہنمایان ملت اور حکمرانانِ امت مسلمہ پر لازم ہے کہ اس عمل قبیح و شنیع کے سدباب کے لیے زبردست کوششیں کریں اور ان راہوں کو مسدود کریں جن سے یہ بیماری امت کے اندر داخل ہوتی ہے۔ بہرحال اس عمل شنیع کے مرتکب کی کیا سزا ہے؟ اس بارے میں علماء امت کے اندر اختلاف ہے اور اس بارے ان کے ہاں کئی اقوال ہیں۔ ان اقوال میں سے راجح قول یہی ہے کہ ان پر حد قتل تو نہیں البتہ تعزیر ہے۔ اور مجاز اداروں پر لازم ہے کہ ایسے لوگوں پر تعزیر جاری کردیں۔ حد اور قتل کے نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ حدیث ثابت نہیں اور ضعیف ہے اور قتل پر صحابہ کے اجماع کا دعویٰ بلادلیل ہے کہ اس

کی کوئی صحیح سند ثابت نہیں اور بقول حافظ ابن حزم رحمہ اللہ ان جیسی روایات سے تو کسی ذمی بلکہ حربی کا خون بہانا جائز نہیں تو ایک مسلم فاسق یا تائب کا خون کس طرح جائز ہوسکتا ہے۔

سرِ دست ہم تعزیر کے لیے دلائل اور مسئلہ کی دیگر جزئیات سے بحث نہیں کرتے۔ مذکورہ حدیث کے بارے میں کلام کرتے ہیں۔ مذکورہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بعض نے صحیح قرار دیا ہے جبکہ بعض دیگر علماء اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ بندہ نے اس بارے میں جو نتیجہ نکالا ہے وہ پیش خدمت ہے۔

اس حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی عمرو بن أبي عمرو پر کچھ کلام ہے لیکن اس کے بارے میں آخری اور قولِ فیصل یہی ہے کہ حسن الحدیث ہے جیسا کہ حافظ ذہبی، حافظ ابن حجر (مقدمہ فتح الباری، تہذیب التہذیب) اور بشار عواد معروف نے بھی یہی فیصلہ دیا ہے۔ لیکن جنھوں نے حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے انھی سے ایک جماعت کے نزدیک اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ عمرو حسن الحدیث نہیں بلکہ اس کی وجہ عمرو کا عکرمہ میں ضعیف ہونا ہے اور مذکورہ روایت عکرمہ ہی سے بیان کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے اس کی عکرمہ سے کسی روایت کو نہیں لیا ہے اور امام مسلم رحمہ اللہ عکرمہ سے اس کی صرف ایک روایت کو مقروناً بغیرہ لائے ہیں۔

امام احمد نے اس کے بارے میں فرمایا: «كُلُّ أحاديثه عن عكرمة مضطربة» ابن رجب کے بقول امام احمد نے اس حدیث میں اضطراب کی نسبت خود عکرمہ کی طرف کی ہے۔ امام بخاری نے فرمایا: «هو صدوق لكن روى عن عكرمة مناكير ولم يذكر في شيء من ذلك أنه سمع من عكرمة» عجلی نے کہا: «ثقة ينكر عليه حديث البهيمة» تحریر التقریب میں بشار عواد صاحب نے لکھا ہے: «وضعفه ابن معين والنسائي وعثمان الدارمي لروايته عن عكرمة» عصر حاضر کے اہل علم کے ہاں شیخ بشار عواد معروف کی تحقیق کی خاص اہمیت ہے۔ انھوں نے حاشیہ ابن ماجہ (2541) میں اس حدیث کے متعلق لکھا ہے: «اسناده ضعيف فان عمروابن أبي عمرو مولى المطلب وان كان حسن الحديث لكن روايته عن عكرمة ضعيفة فقد روى عن عكرمة مناكير ومنها هذا الحديث» پھر اس کے لیے چند متابع اور شاہد ذکر کیے جاتے ہیں۔ جیسا کہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے الارواء (17/8) میں اس کی وضاحت کی ہے۔ تو عکرمہ سے عمرو بن أبي عمرو کا متابع عباد بن منصور ہے۔ حافظ نے اس کے بارے میں فرمایا: «صدوق رمى بالقدر وكان يدلس وتغير بأخرة» اور شیخ بشار نے حافظ کا تعاقب کرتے ہوئے کہا: «بل ضعيف» اور مقدمہ میں انھوں نے وضاحت کی ہے کہ ''ان کے ضعیف'' کی حدیث متابعات و شواہد میں صالح نہیں ہے۔ داؤد بن الحصین یہ بھی عمرو بن أبي عمرو کے متابع کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں فرمایا: «قلت والأشهلي ضعيف وكذا ابن الحصين في عكرمة» (الارواء: 15/8) حافظ کا بھی یہی فیصلہ ہے: «داود بن الحصين ثقة الا فى عكرمة» علی بن المدینی نے فرمایا: «ماروى عن عكرمة فمنكر الحديث» ابوداؤد نے فرمایا: «أحاديثه عن عكرمة مناكير» شیخ بشار عواد معروف نے فرمایا: «أما داود فانه وان كان ثقة لكن روايته عن عكرمة ضعيفة فلا تصلح مثل هذه المتابعات» (حاشیہ سنن ابن ماجه تحت الحديث: 2541)

علاوہ ازیں داود سے روایت کرنے والے ابراہیم بن اسماعیل الأشهلي ضعیف ہے تو پھر مذکورہ کلام اور الأشهلي کے ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا متابع ہونا کیسے صحیح ہے؟

صاحب تحریر تقریب التہذیب نے حاشیہ سنن ابن ماجہ میں اس کے بارے میں کہا: «وصححه بعضهم لما وجدله متابعين هما عباد بن منصورورداود بن الحصين وعباد ضعيف ولا سيما عن عكرمة أما داود فانه وان كان ثقة لكن روايته عن عكرمة ضعيفة فلا تصلح مثل هذه المتابعات» (حوالہ بالا)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث کو بطور شاہد ذکر کیا جاتا ہے لیکن اس میں ایک راوی عبدالغفار مجہول ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے فرمایا: «وهذا اسناد جيد رجاله كلهم ثقات معروفون غير عبدالغفار هذا وقد أورده ابن أبي حاتم (54/1/13) ولم يذكر فيه جرحاً ولا تعديلًا» پھر شیخ نے کہا: غالب گمان یہ ہے کہ ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کیا ہے، اس لیے کہ ہیثمی نے مجمع الزوائد: (273/6) میں مسند أبي يعلى کی طرف نسبت کرنے کے بعد کہا: «فيه محمد بن علقمة وحديثه حسن وبقية رجاله ثقات» مطلب یہ کہ ہیثمی نے جو باقی رجال کو ثقات کہا اس میں عبدالغفار کو ثقہ اس لیے کہا

کہ ابن حبان نے اسے (الثقات) میں ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد شیخ البانی رحمہ اللہ نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تلخیص (56/4) سے یہ نقل کیا ہے:

«لكن قال الحافظ في التلخيص ورواه ابن عدي عن أبي يعلى ثم قال: قال لنا أبو يعلى بلغنا أن عبدالغفار رجع عنه وقال ابن عدي: انهم كانوا لقنوه» تو کیا ایسی روایت شاہد بننے کے قابل ہے؟

اس حدیث کو ضعیف قرار دینے والے جبال علم شیخ بشار عواد کے علاوہ حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے المحلی للآثار میں اس کے بارے میں سیر حاصل بحث کی ہے اور اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی بات گزری ہے جو انھوں نے عمرو بن أبی عمرو عن عکرمۃ کی روایات کے بارے میں فرمایا: «هو صدوق لكن روى عن عكرمة مناكير» امام ابوداود رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے: «حديث عاصم يضعف حديث عمرو بن أبي عمرو» (ابوداود، حدیث 4462,4464) امام ترمذی رحمہ اللہ نے جامع الترمذی میں اس کے معلول ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تلخیص الحبیر (1751) میں امام نسائی کے بارے میں فرمایا: «واستنكره النسائي» امام نسائی نے اسے منکر جانا ہے۔

حافظ محمد بن طاہر المقدسی المعروف بابن القیسرانی (المتوفی 507,448) نے ذخیرۃ الحفاظ (2430/3، حدیث:5632) میں اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

انھوں نے یحییٰ بن معین کے بارے میں نقل کیا ہے: «وكان ابن معين ينكر هذا الحديث عليه» یحییٰ ابن معین عمرو بن أبی عمرو پر اس حدیث کا انکار کرتے تھے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تلخیص الحبیر ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بعد جب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی تو فرمایا: «واسناده أضعف من الأول بكثير» اس کی سند پہلی حدیث سے بہت زیادہ ضعیف ہے۔ اور فرمایا: «وفي هذا الحديث كلام» تلخیص الحبیر (158/4، حدیث:1751)

شیخ مقبل بن ہادی الوادعی نے أحادیث معلۃ میں اس حدیث کو شامل کرکے فرمایا: «رواية عمرو بن أبي عمرو عن عكرمة مضطربة كما تقدم» عمرو عن عکرمہ کی روایت میں اضطراب ہوتا ہے۔ موسوعۃ الأحادیث والآثار الضعیفۃ والموضوعۃ کے مؤلفین علامہ علی حسن علی الحلبی، د۔ ابراہیم طہ اور د۔ حمدی محمد مراد نے بھی اس حدیث کو ضعیف حدیثوں میں شمار کیا ہے۔ دیکھیے: 26705۔ خلاصہ یہ کہ مذکورہ حدیث ضعیف ہے اور اس سے مسئلہ ثابت کرنا درست نہیں۔

ابوعبداللہ
Sh.Siddiq7@Gmail.com

ضیائے حدیث
کوئز پروگرام

ماہِ ستمبر کے درست جوابات

① ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ اور جدالانبیاء کہا جاتا ہے۔
② حج 9 ہجری کو فرض ہوا۔
③ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص استطاعت رکھنے کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔
④ 7 ستمبر 1974ء کو قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا۔

بذریعہ قرعہ اندازی 6 ماہ تک فری رسالہ پانے والوں کے نام

ڈاکٹر شبیر احمد (سکھر) ملائکہ بنت گلفام (ساہیوال) حذیفہ افضل (فیصل آباد) رقیہ بنت مختار، عبدالہادی (کراچی) خضر مغل (میرپور خاص)

عبارتیں ڈھونڈیں انعام پائیں

① یہ نعمت اسے ہی مل سکتی ہے جو اس کے لیے محنت اور مشقت برداشت کرے۔
② متقین کے سوا سب گہرے دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔
③ زیادہ قیل وقال سے شیطان داخل ہوجاتا ہے اور پروجیکٹ ختم ہوجاتا ہے۔
④ تمھارے آزادئ نسواں کے نعرے کی رو سے تو اگر حاملہ عورتوں کو پیرا شوٹ سے کودنے کو کہا جائے تو تمھیں اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔

بچوں کے لیے انعامی کوئز

① اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حرمت والے مہینوں کا ذکر کہاں کیا ہے؟
② کیا تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت ہمارے ایمان کا حصہ ہے؟
③ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت پر حدیث لکھیں؟
④ بدعات محرم کیا کیا ہیں؟

نوٹ: جوابات 15 تاریخ تک دفتر ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' پہنچنا ضروری ہیں۔



اسلامی نظام کیوں کر قائم کیا جائے؟

قسط: ①

مولانا امین احسن اصلاحی

ایک قابل مطالعہ مضمون

انبیائے کرام علیہم السلام کا منہجِ سیاست اور دورِ حاضر کی دینی تحریکوں کا موازنہ

نظام خواہ اسلامی ہو یا غیر اسلامی، کوئی نظام بھی خود کار نہیں ہوا کرتا کہ وہ دنیا میں از خود قائم ہو جائے۔ اس کے قائم کرنے کے لیے بہر حال اس کے چاہنے والوں کو جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ جب وہ اپنی جدوجہد سے اس کے قیام کی تمام شرائط پوری کر دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو وہ نظام دنیا میں رائج ہو جاتا ہے۔

اسلامی نظام کے قیام کے امکان پر بحث کرتے ہوئے دو باتوں پر غور کرنا چاہیے۔ ایک یہ کہ یہ نظام کبھی دنیا میں قائم ہو سکا ہے یا نہیں۔ دوسری یہ کہ جب قائم ہوا تو یہ دنیا کے لیے موجب خیر و برکت ہوا یا نہیں؟ آپ جب ان دونوں سوالوں پر غور کریں گے تو تسلیم کریں گے کہ تاریخ ان دونوں سوالوں کے جواب اثبات میں دیتی ہے بلکہ تاریخ کی شہادت تو یہ ہے کہ دنیا کے لیے خیر و برکت ہونے کے اعتبار سے اس سے بہتر کوئی دوسرا نظام کبھی قائم ہی نہ ہو سکا۔ اس حقیقت کا اعتراف دوستوں ہی کو نہیں بلکہ ان مخالفوں کو بھی ہے جن میں انصاف اور سچائی کی کوئی رمق ہے۔

جب یہ نظام تجربہ کی کسوٹی پر پورا اتر چکا ہے اور عملاً موجب خیر و برکت بھی ثابت ہو چکا ہے تو سوال یہ ہے کہ اس زمانہ میں یہ کیوں نہیں قائم ہو سکتا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ کا عقلی معیار اتنا بلند ہو چکا ہے کہ اسلام اتنا بلند نہیں ہو سکتا۔ یا دنیا کا اخلاقی و عقلی معیار اتنا پست ہو چکا ہے کہ اس دنیا کو اسلام کی سطح تک اٹھایا نہیں جا سکتا؟ یا اب کوئی دوسرا نظام اسلام کے نظام سے بہتر وجود میں آ چکا ہے جس کے وجود میں آ جانے کے بعد اسلامی نظام دنیا کے لیے ضروری نہیں رہا۔ بعض لوگوں کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نگاہ میں دوسرا پہلو ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کا اخلاقی زوال اس حد کو پہنچ چکا ہے کہ اب ان کے ہاتھوں اسلامی نظام کی توقع بالکل فضول ہے۔ اس سے ذرا مختلف نقطۂ نظر رکھنے والا ایک اور گروہ بھی موجود ہے (جس میں نام نہاد مسلمانوں کا ایک طبقہ بھی شامل ہے) جو سمجھتا ہے کہ دنیا ذہنی اور عقلی اعتبار سے اس قدر آگے جا چکی ہے کہ اب وہ اپنے لیے خود ہی اپنی ضرورت کے لحاظ سے نظام ایجاد کرے گی، پرانے نظاموں میں سے کوئی نظام بھی اس کے لیے موزوں نہیں رہا اگرچہ وہ اسلام ہی ہو۔

میں جب ان دونوں نقطہ ہائے نظر پر غور کرتا ہوں تو مجھے یہ دونوں ہی غلط فہمی پر مبنی

معلوم ہوتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ موجودہ زمانہ میں دوسروں کا تو درکنار خود اسلام کے علمبرداروں کا اخلاقی زوال اس حد کو پہنچ چکا ہے کہ اس کو دیکھ کر دل بیٹھ جاتا ہے۔ لیکن کیا وہ معاشرہ ہمارے معاشرے سے بہتر تھا، جس میں اسلامی دعوت کا آغاز تھا؟ ہر شخص جانتا ہے کہ وہ معاشرہ ہمارے معاشرے سے بدرجہا پست تھا لیکن اللہ کے رسول اور ان کے ساتھیوں نے اسی کے اندر کام کیا اور اس کو بدل کر رکھ دیا۔ یہ نہیں کہا کہ بھلا اس برے معاشرے کے اندر اسلامی نظام کے قائم ہونے کی کیا توقع ہے۔ ممکن ہے آپ کہیں کہ یہ تو جو کچھ ہوا، نبی ﷺ کے عزم و ہمت سے ہوا۔ دوسرے یہ عزم و ہمت کہاں سے لاسکتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ دوسروں سے نبی کریم اور صحابہ کرام کے عزم و ہمت کی توقع نہیں ہوسکتی۔ لیکن یہ یاد رکھیے کہ ہمارے سامنے کام بھی اتنا مشکل نہیں ہے جتنا نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کے سامنے تھا۔ نبی کریم ﷺ نے کفر اور جاہلیت سے کشمکش کی، اور اس کو مٹا کر اس کی جگہ اسلام کو قائم کیا۔ ہمیں کفر و جاہلیت سے لڑنا اور اس کو شکست دینا نہیں ہے، بلکہ صرف جمود اور جہالت سے کشمکش کرکے اپنے معاشرے کو اٹھانا اور بیدار کرنا ہے۔ اس معاشرے کے اندر بے شمار خرابیوں کے باوجود اسلامی پہلو سے بہت سی ایسی خوبیاں بھی ہیں، جن سے وہ لوگ فائدہ اٹھاسکتے ہیں، جو اس کی اصلاح کا کام کرنا چاہیں۔ البتہ جس چیز کی کمی ہے وہ یہ کہ اس مقصد عالی کے لیے انبیاء علیہم السلام کے طریقہ پر بے لوث و بے غرض ہوکر صرف اللہ کے لیے کام کرنے والے ابھی ہمارے اندر پیدا نہیں ہوئے ہیں۔ اگر اس طرح کے لوگ ہمارے اندر پیدا ہوجائیں تو تمام مزاحمتوں کے باوجود اس معاشرے کے اندر بہت جلد اسلامی طرز کی تبدیلی پیدا ہوسکتی ہے۔ اسلامی نظام دنیا میں صرف انبیاء علیہم السلام کے طریق کار ہی پر گامزن ہونے سے وجود میں آسکتا ہے۔ دوسرے طریقے اس مقصد کے لیے بالکل بیکار ہیں۔

جو لوگ اسلامی نظام کو اب بعد از وقت کی ایک چیز سمجھتے ہیں اور اس بنیاد پر یا تو اس کو بحیثیت ایک نظام کے موجودہ دور میں قابل اعتناء سمجھتے ہی نہیں یا سمجھتے ہیں تو اس شرط کے ساتھ کہ زمانہ کے بدلے ہوئے حالات کے مطابق اس میں ترمیم کردی جائے۔ ہمارے نزدیک ان کی یہ غلط فہمی بیشتر اسلام اور اسلامی نظام سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ انھوں نے جو تعلیم پائی ہے، اس نے اسلام کے خلاف ان کے ذہنوں میں بے شمار قسم کی غلط فہمیاں بھردی ہیں۔ موجودہ دور میں اسلامی نظام کے قیام کے لیے ان غلط فہمیوں کو دور کرنا ضروری ہے، اور یہ کام انتھک کوشش اور منظم علمی و فکری جدوجہد کا طالب ہے۔ اس کام کی راہ میں جو مشکلات ہیں وہ بے اندازہ ہیں، لیکن ان مشکلات سے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اور اگر کوئی اس سے آشنا ہونے اور اس پر کام کرنے کا دعویٰ لے کر اٹھتا بھی ہے تو چند قدم بھی اس راہ پر چلنا نصیب نہیں ہوتا کہ گردوپیش اور یمین و یسار کے زوردار فتنے آدمی کو دھکیل کر اسی ڈگر پر ڈال دیتے ہیں جو اس زمانہ کی عام ڈگر ہے۔

انبیائے کرام کے طریق کار کی وضاحت

ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ انبیاء علیہم السلام نے اسلامی نظام کے قیام یا دوسرے الفاظ میں اقامت دین کے لیے کوئی خاص طریقہ بتایا ہو جو منصوص ہے، اور جس کی پیروی اس مقصد کے لیے کام کرنے والوں پر ہر دور میں ضروری ہے؟ اگر ایسا ہے تو ہمیں بتانا چاہیے کہ وہ طریقہ کار کیا ہے تاکہ بات مجمل نہ رہے، اور جو لوگ اس کو اختیار کرنا چاہیں، اختیار کرسکیں۔

اس سوال کا ہماری طرف سے قطعی جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے جس طرح طہارت و عبادت اور معاشرت و معیشت سے متعلق ہماری رہنمائی کے لیے اپنی سنتیں چھوڑی ہیں، اسی طرح اصلاح معاشرہ، اقامت دین یا اسلامی نظام کے طریقہ قیام سے متعلق بھی اپنی نہایت واضح سنتیں چھوڑی ہیں جن کو اختیار کیے بغیر اقامت دین کے نصب العین کے لیے کوئی نتیجہ خیز کام نہیں کیا جاسکتا۔ ان سے ہٹ کر جو کوشش بھی اس مقصد کے لیے کی جائے گی، وہ بالکل بے برکت اور بے نتیجہ ثابت ہوگی۔ یہاں ہم صرف چند اصولی باتوں کی طرف اشارہ کریں گے جس سے فی الجملہ یہ اندازہ ہوسکے گا کہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ کار کن

خاص پہلوؤں سے اہل سیاست کے طریقوں سے مختلف ہوتا ہے۔

① قول اور عمل کا توافق

سب سے پہلی چیز جو انبیاء علیہم السلام اور ان کے طریق کار کو دوسروں سے الگ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء جن باتوں کے داعی بن کر اٹھتے ہیں، ان کے سب سے بڑے عملی مظہر وہ خود ہوتے ہیں۔ وہ جن نیکیوں کے مبلغ ہوتے ہیں اگر دوسروں سے ان پر پاؤ سیر عمل کا مطالبہ کرتے ہیں تو خود ان پر پورا سیر بھر عمل کرتے ہیں۔ اسی طرح جن برائیوں سے لوگوں کو بچنے کی تلقین کرتے ہیں ان کے بارے میں وہ دوسروں سے اگر صرف یہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان سے احتراز کریں تو اپنے لیے ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان کی پرچھائی بھی ان پر نہ پڑنے پائے۔ برعکس اس کے اہل سیاست کا عام طریقہ سیدنا مسیح علیہ السلام کے بقول یہ ہوتا ہے کہ جس بوجھ کے اٹھانے میں وہ اپنی انگلی کا بھی سہارا نہیں دینا چاہتے اس کو وہ پورے کا پورا دوسروں کی کمر پر لاد دیتے ہیں۔ قرآن کریم نے علمائے یہود کے بارے میں فرمایا ہے کہ تم دوسروں کو تو نیکی کا درس دیتے ہو لیکن خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔ اسی طرح اہل سیاست جن باتوں سے خود کوسوں دور ہوتے ہیں ان کی منادی وہ اپنی ہر تحریر اور تقریر میں کرتے پھرتے ہیں، وہ اپنے قول ہی کو عمل کا قائم مقام سمجھتے ہیں اور محض زبان کے پھاگ سے وہ ثمرات و نتائج حاصل کرنا چاہتے ہیں جو نتائج خون اور پسینہ ایک کر دینے سے حاصل ہوتے ہیں اور جن کے لیے آدمی کو اپنے ایک ایک بن مُو کو گواہ بنانا پڑتا ہے۔ اگر آپ ایمانداری سے اپنے حالات کا جائزہ لیں گے تو ہماری اس رائے سے اتفاق کریں گے کہ ہماری قوم کو ایک مدت دراز سے ایسے ہی طبیبوں سے سابقہ ہے جو خود سو مرضوں کے مریض ہونے کے باوجود قوم کے علاج کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ایسے طبیبوں کی سعی علاج کا جو نتیجہ برآمد ہوسکتا ہے وہ معلوم ہے۔

② سیاسی تبدیلی سے پہلے معاشرے کی اصلاح

دوسری چیز جو حضرات انبیاء کے طریقہ کو دوسروں کے طریقہ سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء سیاسی اقتدار کے حصول پر اصلاحِ معاشرہ کے کام کو منحصر نہیں قرار دیتے بلکہ معاشرہ کی اصلاح کو نظام سیاسی کی اصلاح کا ذریعہ بناتے ہیں۔ ان کے طریقہ کار میں اصل اہمیت جس چیز کو حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ لوگوں کے دل و دماغ اور اعمال و اخلاق تبدیل ہوں اور برائی سے لڑنے اور بھلائی کو قائم کرنے کے لیے ان کے ضمیر پوری طرح بیدار ہوجائیں۔ یہ بیداری پیدا کرنے کے لیے وہ جدوجہد کرتے ہیں اور جدوجہد وہ مسلسل جاری رکھتے ہیں یہاں تک کہ دو باتوں میں سے کوئی ایک بات ظاہر ہوکر رہی ہے۔ یا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی کوششوں سے ایک صالح معاشرہ کھڑا کر دیا اور اس معاشرے کے ہاتھوں ایک صالح نظام قائم ہوگیا ہے یا اسی مقدس کام میں ان کی زندگیاں ختم ہوگئیں اور چند نفوس کے سوا کسی نے بھی ان کا ساتھ نہیں دیا۔ حضرات انبیاء کی زندگیوں میں ان دونوں ہی چیزوں کی مثالیں ملتی ہیں اور اس دوسری چیز کی مثالیں کم نہیں بلکہ پہلی چیز کے مقابل میں کچھ زیادہ ہی ملتی ہیں لیکن کسی ایک نبی کی زندگی میں بھی اس بات کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ اس نے معاشرہ کی اصلاح کو نظام کی اصلاح کا ذریعہ بنانے کے بجائے اس مقصد کے لیے دعوت دینا شروع کردی ہو کہ پہلے جس طرح بنے اقتدار پر قبضہ کرو اور پھر اس اقتدار کو اصلاح معاشرہ کا ذریعہ بناؤ۔

اس کے بالکل برعکس سیاسی طور پر کام کرنے والوں کی ساری بھاگ ڈور حصول اقتدار کے لیے ہوتی ہے۔ بعض اس اقتدار کے حصول کے لیے آئینی طریقے اختیار کرتے ہیں۔ بعض غیر آئینی راستے اختیار کرنے میں بھی کوئی قباحت نہیں محسوس کرتے۔ جو لوگ آئینی طور طریقے اختیار کرتے ہیں ان کا سارا اعتماد اس بات پر ہوتا ہے کہ ووٹروں کی زیادہ سے زیادہ تعداد ان کے ساتھ ہو۔ اس وجہ سے ان کی توجہ رات دن ووٹروں کے ساتھ جوڑ توڑ پر صرف ہوتی ہے۔ ان کو ساتھ ملانے کے لیے وہ سارے جتن کر ڈالتے ہیں، یہاں تک کہ اس سرگرمی میں وہ جائز اور ناجائز کی بھی کچھ زیادہ پروا نہیں کرتے۔ کوئی بات اگر انھیں ناجائز محسوس ہوتی بھی ہے تو یہ خیال کرکے اپنے اس ناجائز کو جائز بنا لیتے ہیں کہ کسی بڑے

مقصد کے لیے کسی چھوٹے ناجائز کو جائز کر لینے میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ ووٹروں سے ان کا سارا یارانہ ووٹ حاصل کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ ان کے خیر وشر سے انھیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ اگر وہ اپنے ووٹ انھیں دے دیں تو ان کے نقطہ نظر سے وہ معاشرے کے بہترین افراد ہیں اگرچہ وہ فی الواقع اتنے برے ہوں کہ ان کے فتنوں سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہو۔ اس طرز کے لوگ اگر معاشرے کی خدمت اور اصلاح کا کوئی چھوٹا بڑا کام کرتے بھی ہیں تو اس میں بھی خلوص اور للّٰہیت کا حصہ بہت کم ہوتا ہے۔ اصل پیش نظر مقصد وہی ہوتا ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے یعنی یہ کہ ان کی ان خدمتوں سے متاثر ہوکر انتخابات میں لوگ اپنے ووٹ ان کے حق میں استعمال کریں۔ یہ مقصد اس گروہ پر اتنا غالب ہوتا ہے کہ اگر کہا جائے کہ یہ حضرات اپنے انتخابی حلقوں میں نماز بھی اگر پڑھتے ہیں تو اس ووٹ کے مقصد ہی سے پڑھتے ہیں تو شاید اس میں بھی کوئی مبالغہ نہ ہو۔

یہ ذکر آئینی طریقہ پر کام کرنے والوں کا تھا۔ جو لوگ غیر آئینی طریقہ پر کام کرتے ہیں ان کا اعتماد خفیہ سازشوں پر ہوتا ہے۔ وہ اپنے نظریات کھلے میدان میں عقل اور استدلال کی راہ سے منوانے پر اعتماد نہیں رکھتے۔ اس وجہ سے سازشی طریقے اختیار کرتے ہیں۔ اس راہ سے اقتدار حاصل کرنے میں اگر ان کو کامیابی ہوجاتی ہے تو پھر سیاسی جبر کے ذریعے سے وہ معاشرے پر اپنے نظریات مسلط کر دیتے ہیں۔ اشتراکیت کے علمبرداروں کا طریق کار یہی ہے۔ ظاہر ہے یہ طریق کار انبیاء کے طریق کار سے پہلے طریقہ سے بھی زیادہ دور ہے۔ اس لیے کہ اس کی بنیاد جبر پر ہے اور انبیاء کے طریقہ میں جبر کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اسلامی نظام کوئی مجبوری کا سودا نہیں ہے بلکہ آزادانہ ایمان و اسلام کا معاملہ ہے اور اس کے لیے واحد پسندیدہ طریقہ یہی ہے کہ ایک آزاد اسلامی معاشرے میں اس کی آزادانہ مرضی اور آزادانہ رائے سے قائم ہو۔ وہ لوگ اس کو قائم کریں، جنھوں نے عقل سے اس کو قبول کیا ہو، دل سے اس کو مانا ہو اور عمل سے اس کی گواہی دے رہے ہوں۔ بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ اگر اسلامی نظام کا قیام معاشرے کی اصلاح ہی پر منحصر ہے اور اس کے لیے اہل سیاست کے سے طریقے نہیں اختیار کیے جاسکتے تو پھر یہ بیل کبھی منڈھے نہیں چڑھ سکتی۔ ان کے خیال میں یہ طریق کار اتنی طویل مدت چاہتا ہے کہ جب تک معاشرے کی اصلاح ہوگی، اس وقت تک جو خرابیاں آج پاؤں سیر ہیں موجودہ نظام کے زیر سایہ پرورش پاکر من بھر ہوجائیں گی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ آج اسلام کا نام لینے کا موقع ہے تو کل یہ نام لینے کا بھی امکان باقی نہیں رہے گا۔ یہ بات بہت سے لوگوں کو دھوکے میں ڈالے ہوئے ہے، لیکن ہمارے خیال میں اس میں کئی مغالطے چھپے ہوئے ہیں۔

اس میں پہلا مغالطہ تو یہ ہے کہ یہ حضرات اس بات کو محسوس نہیں کرتے کہ اگر ایک صحیح کام صحیح طریقہ پر کرنے میں بہت دیر لگنے کا اندیشہ ہے تو اس کی تلافی کا یہ کون سا دانشمندانہ طریقہ ہے کہ ایک غلط کام بالکل غلط طریقہ ہی پر کر ڈالا جائے، غلط کام بہرحال غلط ہے۔ وہ اس وجہ سے صحیح نہیں بن جائے گا کہ وہ جلدی سے انجام پاجاتا ہے۔ ہر کام کی ایک مخصوص فطرت ہوتی ہے اور وہ نتیجہ خیز اسی صورت میں ہوتا ہے، جب اس کو اس کے مخصوص دھب پر انجام دیا جائے، اگرچہ اس میں کتنا ہی وقت لگے۔

دوسرا مغالطہ یہ ہے کہ بعض لوگ زبان کے پھاگ اور عمل کے جہاد میں اثرات و نتائج کے لحاظ سے جو فرق ہے اس کو نہیں سمجھتے۔ اگر اسلامی نظام کا دعویٰ محض زبان اور قلم پر ہو، عملی زندگی اسلام کے حقیقی رنگ میں رنگی ہوئی نہ ہو تو اسلامی نظام تا قیامت قائم نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ آپ کو سیاسی اقتدار حاصل ہی کیوں نہ ہوجائے۔ سیاسی اقتدار دنیا میں اسلام کے بہت سے مدعیوں کو حاصل ہوا۔ لیکن اسلام کے لیے وہ اگر کچھ مفید ہوا تو اسی شکل میں ہوا جب اقتدار والوں کی عملی زندگیوں میں اسلام کا کچھ اثر رہا۔

تیسرا مغالطہ یہ ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر اقتدار پر قبضہ کرکے برائی کے پھیلانے والے طاقتور ہاتھوں کو معطل نہ کر دیا جائے تو بھلائی کے پھیلانے کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہ جاتا۔ ہمارے نزدیک یہ بات بھی صحیح نہیں ہے۔ کسی معاشرے میں برائی کے پھیلنے کی اصل وجہ یہ نہیں ہوتی ہے کہ برائی پھیلانے والے

ہاتھ بڑے زوردار اور موثر ہیں، بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہوا کرتی ہے کہ ان برائیوں کی برائی سے لوگوں کو آگاہ کرنے والے یا تو موجود ہی نہیں ہوتے یا موجود تو ہوتے ہیں لیکن ان میں اخلاص، دلسوزی، دردمندی اور عزیمت نہیں ہوتی۔ اگر کسی معاشرے کے اندر معاشرے کا سچا درد رکھنے والے، برائیوں پر تڑپ جانے والے، علم و دلیل کے ساتھ بات کرنے والے اور ہر برائی کے مقابل میں صداقت و عزیمت کے ساتھ ڈٹ جانے والے موجود ہوں تو وہ کسی سیاسی طاقت کے بغیر برائی کے طاقتور سے طاقتور ہاتھوں کو بھی معطل کر کے رکھ دیتے ہیں۔ ایسے مردان حق کے سامنے برائی خواہ کتنے ہی زور اور دبدبہ کے ساتھ آئے لیکن وہ بھلائی کو مغلوب کرنے کے بجائے خود اپنے آپ کو عریاں کرتی ہے اور بالآخر اسے میدان سے پسپا ہونا پڑتا ہے۔ تنور میں آگ زوردار ہو تو گیلی لکڑی بھی اس کو بجھانے کے بجائے اس کے لیے ایندھن کا کام دے جاتی ہے۔

③ اللہ کے لیے محبت اور دشمنی

انبیاء علیہم السلام کے طریقہ کار کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ ان کی مخالفت و موافقت جو کچھ بھی ہوتی ہے للہ و فی اللہ ہوتی ہے۔ ان کی محبت بھی اللہ کے لیے ہوتی ہے اور دشمنی بھی صرف اللہ کے لیے، وہ حق کے ساتھی ہیں، خواہ ان کے دشمن ہی کے اندر پایا جائے اور باطل کے وہ مخالف ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ ان کے کسی ہوا خواہ کے اندر ہی کیوں نہ پایا جائے۔ انھیں کسی خاندان، کسی گروہ، کسی پارٹی اور کسی قوم سے محض اس کے ایک مخصوص گروہ یا خاندان یا پارٹی ہونے کے سبب سے نہ دشمنی ہوئی اور نہ دوستی۔ دشمنی اور دوستی جو کچھ انھیں ہوتی ہے وہ اصول و عقائد اور اعمال و اخلاق کی بناء پر ہوتی ہے۔

برعکس اس کے جو لوگ سیاسی طریقوں پر کام کرتے ہیں ان کی دوستی اور دشمنی ان کے گروہی مفاد اور سیاسی مصالح و اغراض پر مبنی ہوتی ہے۔ ان کی تمام جدوجہد کا محور صرف اقتدار ہوتا ہے اس وجہ سے ان کی یہ فطرت بن جاتی ہے کہ جو اقتدار سے محروم ہوں وہ اصحاب اقتدار کے اندر کسی خوبی کا اقرار نہ کریں اگرچہ وہ خوبی سورج کی طرح روشن ہو اور جو اقتدار کی کرسی پر براجمان ہوں وہ اقتدار سے محروم جماعتوں کی کسی خوبی کا اعتراف نہ کریں اگرچہ وہ خوبی اندھوں کو بھی نظر آ رہی ہو۔ جس طرح ہم نے آج تک کسی ہڈی کی موجودگی میں دو کتوں کو ایک دوسرے کے لیے انصاف پسند اور خیر خواہ نہیں پایا اسی طرح اقتدار کی استخوان نزاع کی موجودگی میں اقتدار کے حاملین اور اقتدار سے محرومین کو کبھی ایک دوسرے کے لیے خیر خواہ اور انصاف پسند نہیں پایا۔ اختلاف برائے اختلاف ان کا دین ہوتا ہے اور اپنے اس دین کی پیروی وہ بہ حالت ہوش و حواس اور بہ ثبات عقل و اختیار کرتے ہیں اور اس احمقانہ رویہ کو اپنی سیاسی زندگی کی ایک ایسی ناگزیر ضرورت بتاتے ہیں جس سے ان کے نزدیک مفر کی کوئی صورت ہی باقی نہیں ہے۔

(جاری ہے)

بقیہ: جوہری معاہدہ

ان گنت مالی فوائد کے بعد پڑوسی ملک کی طرف سے انتہائی تزویراتی (Strategic) اہمیت کی حامل گوادر پورٹ جو مستقبل میں پاکستان کی جغرافیائی اور معاشی سلامتی کی ضمانت بھی ہوگی کے لیے شدید خطرات بڑھ گئے ہیں۔ راقم کی رائے میں عرب اتحادیوں کا امریکہ (بہادر) کے اذن کے بغیر یمن پر حملہ اور پاک چائنہ کوریڈور معاہدہ بدنام زمانہ جوہری معاہدہ کا بہت اہم محرک بنا ہے۔'' بعد میں متحدہ عرب امارات (UAE) اور بھارت کے درمیان ہونے والے سٹریٹجک معاہدہ، جس کو عسکری امور پر گہری نظر رکھنے والا جنرل کسی بھی صورت نظر انداز نہیں کر سکتا کیونکہ مشرق میں بھارت ہم پر ''مہربان'' مغرب میں ایران اور شمال میں ایران و بھارت نواز عبداللہ عبداللہ اپنے نیٹو اتحادیوں کے ساتھ، تینوں کا بزرگ بزرگوار یعنی امریکہ بہادر۔

ایران کے بھارت کے ساتھ بڑھتے ہوئے گرمجوشی کے رشتے اور روابط سے روز بروز پاکستان کی سلامتی کے لیے خطرات بڑھ رہے ہیں، حتیٰ کہ کچھ عرصہ قبل جب عالمی ادارے میں مملکت اسلامیہ پاکستان کی بحری حدود میں توسیع کے لیے رائے شماری ہوئی، تو پوری دنیا میں صرف دو ملک ایسے تھے جنھوں نے مملکت اسلامیہ پاکستان کے خلاف ووٹ دیا۔ ① بھارت ② پڑوسی ملک ایران۔ جی ہاں، وہ ایران جس کے لیے ہمارا میڈیا اکثر رطب اللسان رہتا ہے!



جوہری معاہدے کے مہلک اثرات

مشرقِ وسطیٰ کی ریاستوں کو کمزور کرنے کا ایک اور منصوبہ

ابوضرار ملک

بالآخر 14 جولائی 2015ء کو آسٹریا کے دارالحکومت ویانا میں امریکہ سمیت دنیا کی پانچ بڑی طاقتوں (5+1) اور ایران کے مابین جوہری معاہدہ اپنے منطقی انجام کو پہنچا، اور اس کے ساتھ ہی ''خود ساختہ بحران'' کا خاتمہ بھی ہو گیا۔ معاہدے کے بعد اگر ایک جانب بزرگ شیطان (امریکہ بہادر) اب مہربان بزرگ میں تبدیل ہو چکا ہے تو دوسری جانب بگڑا ہوا شدت پسند بچہ (ایران) بھی اب سعادت مند بچہ (امریکہ کے لیے) بن چکا ہے۔ اس سے قبل اس معاہدے کے ثمرات کی تائید پر بہت کچھ لکھا اور کہا گیا جو سراسر امریکہ، مغربی ممالک اور ایران کے حمایتیوں کا ہی خاصا ہے۔ معاہدے سے قبل پوری دنیا کے پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا میں منصوبہ بندی کے تحت مہم چلا کر خوف کی ایک فضا پیدا کی گئی کہ اگر یہ معاہدہ نہ ہوا تو دنیا کو ایک قیامت صغریٰ سے واسطہ پڑ سکتا ہے، حالانکہ یہ من گھڑت مفروضہ دنیائے عرب کو چونا لگانے کے لیے گھڑا گیا تھا۔ سادہ لوح مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے کئی دہائیوں سے ایران کا اسرائیل پر یا پھر اسرائیل کا ایرانی ایٹمی تنصیبات پر حملوں کا بڑے زور وشور سے بے سروپا پراپیگنڈہ کیا جا رہا ہے۔ اس میں کتنی صداقت ہے؟ راقم کی رائے میں اسرائیل کی سلامتی کے انتہائی ذمہ داروں کے مندرجہ ذیل بیانات ہی، عقل مندوں کے لیے کافی ہیں۔ اسرائیل کی بدنام زمانہ انٹیلی جنس ایجنسی موساد کے سابق سربراہ EfraimHalevy اور موجودہ سربراہ TamirPardo نے مشترکہ طور پر کہا ہے کہ ''اگر ایران ایٹم بم بھی بنا لے تو وہ اسرائیل کے لیے خطرہ نہیں'' جبکہ ''موساد'' ہی کے مشہور زمانہ سربراہ MierDegan نے کہا کہ ''میں نے اپنی زندگی میں اس سے بڑی احمقانہ بات نہیں سنی کہ اسرائیل ایرانی ایٹمی تنصیبات پر حملہ کرے۔''

حقائق پر مبنی ان بیانات کے باوجود اس معاہدے کے منفی اثرات پر کسی نے لکھنے کی جسارت نہیں کی جو مستقبل قریب یا بعید میں عرب مسلمانوں کے حصے میں آنے والے ہیں۔ معاہدے کی رو سے ایران کا ایٹمی پروگرام ختم نہیں بلکہ محدود کر دیا گیا ہے۔ یعنی ایران ایک مقرر حد تک ہی یورینیم افزودہ کر کے اس کا ذخیرہ کر سکے گا اور ایٹمی ٹیکنالوجی کو پرامن مقاصد کے لیے استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ ملکی لیول پر جوہری توانائی اور تحقیق پر بھی کام جاری رکھ سکے گا۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ معاہدے کی رو سے ایران اقوام متحدہ کے نگرانوں کی درخواست کو چیلنج بھی کر سکے گا۔ حقیقتاً ایران کو اس معاہدے کی آڑ میں غیر محسوس طریقے سے جوہری ہتھیاروں کی تیاری کے سلسلے میں موقع فراہم کیا گیا ہے۔

جوہری معاہدے کا سب سے تاریک پہلو یہ ہے کہ ایٹمی ماہرین کے مطابق جوہری معاہدہ ایران کے ایٹمی طاقت بننے میں دیر کر سکتا ہے، روک نہیں سکتا کیونکہ یورینیم کی جتنی مقدار وہ صنعتی مقاصد کے لیے ایٹمی توانائی کے حصول کے لیے استعمال کرنے کا مجاز ہے ذرا سی تبدیلی



سے اس کے ساتھ ایٹمی ہتھیار بھی بنائے جا سکتے ہیں حتیٰ کہ ایران پر پابندیوں کے منصوبہ ساز Mr Robert Menendez بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ معاہدے سے ایران کا ایٹمی پروگرام ختم نہیں بلکہ اسے محفوظ کرے گا۔ اگر اس معاہدے کا بغور جائزہ لیا جائے تو بات روزروشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اس سارے پس منظر میں نقصان صرف عربوں کا ہوا ہے جبکہ فائدہ امریکہ، مغربی ممالک اور ایران کو ہوا ہے۔ ان کی ڈولتی ہوئی معیشت بھی سنبھل گئی، بے روزگاری بھی کم ہوگئی اور سب سے بڑھ کر خطے میں عسکری لحاظ سے مضبوط سے مضبوط تر ہوتے جائیں گے جو مستقبل میں اسلام پسندوں کے لیے خطرے کا الارم ہے۔

سوچنے کا مقام تو یہ ہے کہ بدنام زمانہ جوہری معاہدے کے بعد داعش نے اپنی دہشت گردانہ کارروائیوں کا رخ خلیجی ممالک کی طرف کیوں موڑا؟ راقم کی رائے میں اس کا مقصد یہ ہے کہ عرب اتحادی اپنی عسکری قوت کو یکسوئی کے ساتھ یمن میں استعمال نہ کرسکیں اور ان کی حملے کرنے کی فیصلہ کن قوت کو منقسم کر دیا جائے۔

جوہری معاہدے کے بعد ترکی نے محسوس کرلیا تھا کہ مغرب کا جھکاؤ اب ایران کی جانب ہو گیا ہے اور پھر دنیا نے کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ اس بدنام زمانہ جوہری معاہدہ کے بعد ترکی میں شدت پسند تنظیم ''داعش'' کی جانب سے ختم نہ ہونے والے دھماکوں کے سلسلے شروع ہو گئے، حتیٰ کہ ایک اندوہناک واقعے میں 40 سے زائد شہادتیں ہوئیں اور درجنوں زخمی ہوئے۔

اگر ایک جانب شدت پسند تنظیم داعش ترکی کو عدم استحکام سے دوچار کرنے کے درپے ہے، تو دوسری جانب اسی دوران میں فرانس اور جرمنی کے پس پردہ حمایت یافتہ آزاد کردستان ریاست کے لیے لڑنے والے علیحدگی پسند PKK کے باغی کردوں نے عین موقع پر مسلح کارروائیوں کا آغاز کرکے ترکی کے پیٹ میں چھرا گھونپ دیا۔ جس کے نتیجے میں اب تک ترکی کے درجنوں سیکورٹی اہلکار ہلاک ہو چکے ہیں حتیٰ کہ ایک دہشت گردانہ کارروائی میں ایک کرنل سمیت بیسیوں فوجی اہلکار مارے گئے۔ یعنی وہ لڑائی جو ترکی کی نہیں تھی اب وہ لڑائی ترکی کی بن چکی ہے۔ 9\11 کے بعد جس طرح مملکت اسلامیہ پاکستان کو اسلام کے خلاف (دہشت گردی کی آڑ میں) لڑائی کی ہولناکیوں میں جھونک دیا گیا اسی طرح آج طاغوتی طاقتوں نے اپنی وحشت ناک پالیسیوں کی بدولت ترکی کو بھی اس جنگ کا حصہ بننے پر مجبور کر دیا ہے۔ راقم کی رائے میں 1+5 کی لگائی ہوئی یہ فرقہ واریت کی آگ اب اردن، لبنان اور ترکی کی سرحدوں کی طرف پھیل رہی ہے۔ بدنام زمانہ جوہری معاہدے کے ثمرات سمیٹنے کے بعد ایران لامحالہ مشرق وسطیٰ میں ایک نئی سامراجی طاقت کی شکل میں داخل ہوگا۔

جوہری معاہدے کی شکل میں عربوں کو اس بات کی بھی سزا دی جارہی ہے کہ انھوں نے (انکل سام بہادر) کی اجازت کے بغیر یا اطلاع دیے بغیر یمن پر حملہ کرنے کی گستاخی کیوں کی؟ امریکی اور صہیونیوں کے لیے ناقابل قبول تھا کہ عرب اس قابل ہو جائیں کہ اپنی سلامتی سے متعلق خود کوئی فیصلہ کرسکیں۔ اگر ایک جانب بدنام زمانہ جوہری معاہدے کے ذریعے امریکہ نے عربوں میں عدم تحفظ کا احساس پیدا کرنے کی شعوری کوشش کرتے ہوئے یہ بھیانک منصوبہ بندی کی ہے کہ ان کو مستقبل میں مستقل بنیادوں پر بلیک میل کیا جا سکے تو دوسری جانب ایران نواز دہشت گرد حوثیوں کا خوف دلا کر دھڑا دھڑ اپنا ناکارہ اسلحہ بھی فروخت کرنا شروع کر دیا ہے۔ جی ہاں جان کیری نے عربوں کو یقین دلایا کہ صدر اوباما نے مئی میں ہی جدید ترین ہتھیار مہیا کرنے اور بہترین تربیت دینے کا جو وعدہ کیا ہے اسے ہر قیمت پر نبھایا جائے گا جس کے فوری بعد امریکہ نے صرف سعودی عرب ہی کو 5.4 ارب ڈالر کے پیٹریاٹ میزائل، جدید ترین لڑاکا جہاز اور دیگر اسلحہ فراہم کر دیا ہے جبکہ 500 کروڑ کا اسلحہ اس کے علاوہ ہو گا۔ طاغوتی طاقتوں کے ان تمام اوچھے ہتھکنڈوں کے باوجود حرمین شریفین کے وارثوں کے لیے دنیا و آخرت میں کامیابی کا حصول صرف اور صرف قرآن کی اس آیت پر عمل پیرا ہونے میں ہے جس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''اے لوگوں جو ایمان لائے ہو! اپنے سوا کسی کو دلی دوست نہ بناؤ، وہ تمھیں کسی طرح نقصان پہنچانے میں کمی نہیں کرتے، وہ ہر ایسی چیز کو پسند کرتے ہیں جس سے تم مصیبت میں پڑو۔'' (آل عمران 118:3)

درحقیقت بدنام زمانہ جوہری معاہدہ مشرق



وسطیٰ میں طاقت کے توازن کے مزید بگاڑ کا باعث بنے گا۔ یقین واثق ہے کہ معاہدے کے بعد امریکہ اور یورپی بنکوں میں پڑے ہوئے پچاس بلین ڈالر اور تیل سے ہونے والی آمدنی کا بڑا حصہ ایران سب سے پہلے مشرق وسطیٰ میں جھونکے گا، خاص کر یمن، شام اور عراق میں لڑکھڑاتے ہوئے اپنے کرائے کے قاتلوں کو دوبارہ سنبھلنے کا موقع دے گا، پھر شکست سے دوچار عسکری کارروائیوں کو اور اپنے علاقائی توسیع پسندانہ عزائم کو پوری شدت کے ساتھ شروع کرے گا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ منجمد کیے گئے اربوں ڈالرز ملنے کے بعد ایران کے لیے ایٹمی ہتھیاروں کا حصول پہلے سے کہیں آسان ہوگیا ہے۔ اس سلسلے میں روس نے پہلے مرحلے میں ایران کو 10 ارب ڈالر مالیت کے جدید ہتھیار فراہم کرنے کا اعلان کر دیا ہے۔ مندرجہ بالا مؤقف کی تائید روزنامہ ''قدرت'' 24 جولائی 2015ء میں چھپنے والی اس خبر سے بھی ہوتی ہے جس میں ایران کے نائب وزیر خارجہ عباس ارقچی نے خوفناک بیان دیتے ہوئے برملا کہا کہ جوہری معاہدے کے باوجود ایران مشرق وسطیٰ میں اپنے اتحادیوں کی ہر ممکن مدد جاری رکھے گا۔ تاریخ کے طالب علم کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ یہی فرانس، برطانیہ اور ملعون یہودی، شام کو تقسیم کرنے اور خلافت عثمانیہ کو ختم کرنے کے شرمناک فعل کے ماسٹر مائنڈ تھے۔ راقم کی رائے میں انھی اسلام دشمن طاقتوں نے پہلے عرب بہار کے نام پر، پھر داعش کے نام پر اور اب جوہری معاہدے کے خوش نما ثمرات کی آڑ میں مشرق وسطیٰ کی تقسیم کی بنیاد رکھ دی ہے۔ لیکن حیرت کی بات تو یہ ہے کہ ایران جس کی امریکہ اور یورپ سے شدید مخاصمت چلی آرہی ہے وہاں کوئی بہار نہیں آئی۔ خطرہ یہ ہے کہ فرقہ واریت پر مبنی یہ جنگ اپنی ہولناکیوں کی انتہا کو چھوئے گی جس نے پورے عالم اسلام کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے۔

جوہری معاہدہ ہونے کے بعد پڑوسی ملک کی انتہا پسند مذہبی قیادت نے ایک دفعہ پھر قدیم فارسی سلطنت کے احیاء کا خواب دیکھنا شروع کر دیا ہے، بالکل اسی طرز پر جس طرح گیارہویں صدی عیسوی میں صلیبی جنگوں کے آغاز سے ہی ملعون یہودیوں نے گریٹر اسرائیل کا خواب دیکھنا شروع کر دیا تھا۔

(یادرہے بیت المقدس پر صلیبی قبضے (1099ء) سے ایک سال پہلے مصر کی رافضی حکومت نے یہ مقدس شہر ترکوں سے چھین لیا تھا اور جب اگلے سال صلیبی درندے یہاں پہنچے تو اسے تھالی میں رکھ کر صلیبیوں کی خدمت میں پیش کر دیا..... محسن فارانی)

سیاسی اور عسکری طور پر ڈوبتے ہوئے ایران کے لیے مشرق وسطیٰ میں یہ معاہدہ عرق حیات کی حیثیت رکھتا ہے۔ معاہدے کے بعد اگر ایک جانب ایران ایک دفعہ پھر مشرق وسطیٰ میں امریکہ کے ایک تابع فرمان تھانیدار کا بھرپور کردار ادا کرنے کے لیے تیار ہے تو دوسری جانب عرب اور ان کے حکمران اپنی بیوقوفانہ پالیسیوں کی بدولت سیاسی تنہائی کا شکار ہوتے جا رہے ہیں جس سے مشرق وسطیٰ جلد یا بدیر ایک ہولناک جنگ کا میدان بنتا ہوا نظر آرہا ہے اور آخر کار اس معاہدے کا اختتام تیسری عالمی جنگ کی شروعات پر ہوگا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایران پر کس طرح اعتبار کیا جا سکتا ہے؟ کیونکہ یہ ملک پچھلے 36 سال سے مشرق وسطیٰ میں ننگی جارحیت اور فرقہ واریت پر مبنی مذہبی دہشت گردی کو فروغ دینے اور سیاسی و معاشی طور پر عدم استحکام پیدا کرنے اور دھوکا دینے کا انتہائی مکروہ ریکارڈ رکھتا ہے جس کی بنا پر دنیائے عرب اس بدنام زمانہ جوہری معاہدے کو عرب مفادات پر حملے کے تناظر میں دیکھ رہی رہے۔ راقم کی رائے میں عربوں کا یہ شک بالکل بجا ہے، جس نے حرمین شریفین سمیت کئی اسلامی ممالک کی سلامتی پر سوالیہ نشان ڈال دیا ہے۔ حتیٰ کہ 17 جنوری 2014ء کو شام کے صدر بشارالاسد نُصیری نے اسلام دشمنی اور خبث باطن کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایرانی وزیر خارجہ سے ملاقات کے دوران میں کہا ہے کہ سعودی عرب کا سیاسی اور اسلامی نظریہ دنیا کے لیے خطرہ ہے۔ اور تو اور دنیائے اسلام کے انتہائی پرامن ملک کویت نے بھی چند روز قبل اپنے ملک میں ایران کی طرف سے کی گئی مداخلت پر شدید ردعمل ظاہر کیا ہے۔ دنیائے شیعیت میں لامحدود اختیارات کے مالک محترم مولانا خامنہ ای کے فیض سے ''مرگ برامریکہ'' کا نعرہ اب ''مرگ برعرب'' میں تبدیل ہو چکا ہے۔ کیونکہ شام، بحرین، عراق اور اب یمن سمیت سعودیہ میں شہید ہونے والوں میں کوئی مغربی، صلیبی، ملعون یہودی، بدھ، روسی یا پھر کوئی مشرک ہندو نہیں بلکہ صرف اور صرف عرب مسلمان ہیں۔

بقیہ صفحہ نمبر: 30 پر



محمد نعمان فاروقی

ایک سانحہ کافی نہیں . . . ؟

کراچی: طالب علم اور طالبہ کی ہلاکت اسباب اور تدارک

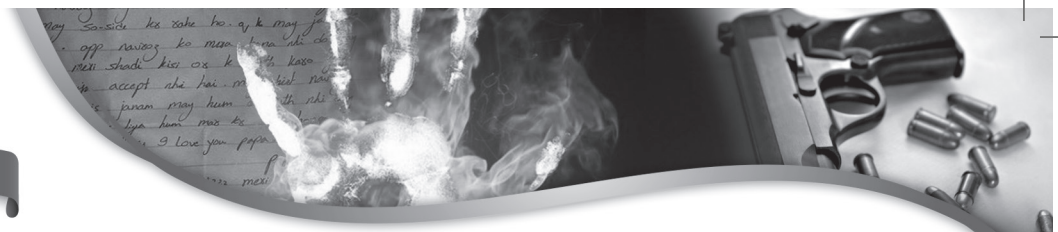
وہ جب پیدا ہوئی تھی والدین اور عزیز واقارب نے کتنی خوشیاں منائی ہوں گی۔ اس کا نام نبی ﷺ کی پیاری صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزہراء کے نام پر رکھا گیا، وہ اسی پاکستانی معاشرے میں پروان چڑھتی رہی۔ وہ زندگی کی پندرھویں بہار گزار رہی تھی اور دسویں کلاس میں زیر تعلیم تھی.....مگر آج وہی فاطمہ اپنے پیارے بابا کا پستول لے کر سکول پہنچ جاتی ہے۔ وہی سکول بیگ جس میں کاپیاں، کتابیں، قلم، دوات، پیمانہ، ریزر اور شاپنر تھے آج اس میں پستول بھی تھا۔ آج وہ اپنے بوائے فرینڈ سے مل کر اس زندگی کو ختم کرنا چاہ رہی تھی جسے پسند کی شادی کے بعد وہ گزارنے کی آرزومند تھی۔ اتنی چھوٹی سی عمر میں ان دونوں کے عزائم کیونکر اتنے پختہ ہو چکے تھے؟ انھوں نے اس زندگی ہی کو کم سمجھا اور اگلے جہاں میں ملنے کی آرزو میں یہ زندگی تمام کی۔

یقیناً ایسے سانحات غیرت وحمیت کی حامل قوم کے لیے بڑا دھچکا ہیں اگر وہ سمجھے تو۔ آیئے اس کا جائزہ لیتے ہیں:

پہلی بات تو یہ ہے کہ میٹرک کی طالبہ اور طالب علم کی اجتماعی خودکشی یہ ایک واقعہ ہی نہیں ہے۔ اس سے ملتے جلتے واقعات کبھی ایک طرف سے کبھی دونوں طرف سے، کبھی ہم عمری میں، کبھی عمر کے فرق سے پیش آتے رہتے ہیں، حتی کہ شادی شدہ خواتین وحضرات بھی ایسے معاملات میں الجھ جاتے ہیں۔ یعنی یہ ایک ہمارا معاشرتی مسئلہ ہے۔ اس وجہ سے اسے اہمیت دینی چاہیے۔ اور ایسے واقعات و سانحات سے سبق لینا چاہیے۔ کبھی ایک ہی واقعہ قوموں کا رخ بدل کر رکھ دیتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ من حیث القوم ہم ہر غلطی، بحران اور مشکل کا سبب دوسرے طبقات کو قرار دیتے ہیں جیسا کہ سوشل میڈیا پر ہر ایک نے اپنی اپنی سوچ کے مطابق دوسرے طبقات کو موردِ الزام ٹھہرایا اور اپنا دامن محفوظ رکھا۔ ہم میں سے ہر طبقے اور میدان کے لوگوں کو اپنا جرم تلاش کرنا چاہیے۔ ایسی کوششیں ہی قوموں کا مورال بلند کرتی ہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ جب کوئی واقعہ رونما ہوتا ہے، تب ہم آواز اٹھاتے ہیں، جبکہ خطرات وخدشات ہم پہلے سے محسوس کر رہے



ہوتے ہیں۔ کیا اس طالب علم اور طالبہ کے باہمی تعلقات سے ان کے متعلقین نا آشنا تھے؟ قطعاً ایسا نہیں تھا؟ انھیں پورا علم تھا تو اس کا مناسب حل کیوں نہ نکالا گیا؟ کیا شریعت میں اس حوالے سے راہ نمائی نہیں ہے؟

چوتھی بات یہ ہے کہ اس جیسے سانحات کے اسباب وعوامل پر غور کرنا چاہیے اور اسباب کو ختم کرنا چاہیے تاکہ آئندہ محفوظ رہا جاسکے۔

آیئے! اب ہم اسباب وعوامل کا جائزہ لیتے ہیں:

کارٹون کا زہر

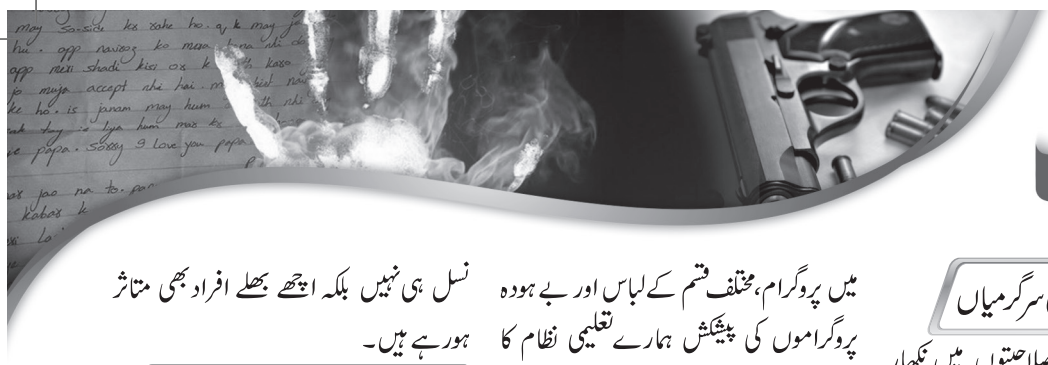
شیطان اور اس کے چیلے جس انداز سے نئی نسل کو تباہ کررہے ہیں، ان ذرائع میں سے ایک کارٹون بھی ہیں۔ والدین بچوں کا دل بہلانے اور مشغول رکھنے کے لیے انھیں کارٹون لگا دیتے ہیں۔ یہ کارٹون ان گھروں میں بھی دیکھے جاتے ہیں جن گھروں میں اپنی حشر سامانیوں کے باوجود فلمی کلچر نہیں پہنچ سکا۔ مگر کارٹونوں میں بچوں کو تقریباً وہ سب کچھ دکھا دیا جاتا ہے جو ایک فلم میں بڑوں کو دکھایا جاتا ہے، جنس مخالف حتی کہ جانوروں سے ''ملنا''، چاہتیں لیے پھرتے رہنا اور بوس وکنار وغیرہ یہ تو معمول کی باتیں ہیں۔ خود سوچیے مستقبل کے ان معماروں کو اور قوم کے نونہالوں کو جب بالکل ابتدائی مراحل سے آپ یہ دکھائیں گے تو جیسے وہ Benton کی طرح ''مکے'' دکھاتے ہیں دوسری حرکات کا پریکٹیکل نہیں کرتے ہوں گے؟ اس نئی تہذیب نے شعور کی آنکھ کھولتے ہی بچے کو جس چیز کا مشاہدہ کرایا، وہ یہی بے حیائی اور بے ہودگی ہے۔ یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ سارے کارٹون ہی غلط ہیں مگر 80,70 فیصد ایسے ہی ہیں۔ ان کارٹونوں میں بڑے خوبصورت مناظر اور حیرت انگیز کارنامے دکھا کر بچوں کو دلچسپی سے اپنی طرف کھینچا جاتا ہے اور بچے آگے سے آگے کی جستجو میں بہت آگے نکل جاتے ہیں۔ اور والدین انھیں مشغول دیکھ کر ہی خوش ہوتے رہتے ہیں کہ چلو بچے ہمیں تنگ تو نہیں کررہے۔ ٹھیک ہے وہ اب تو والدین کی زندگی میں حائل نہیں ہورہے مگر یہی بچے جب ''فاطمہ حمید'' اور ''نوروز'' کی صورت میں جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہیں تو تنگ ہی نہیں کرتے بلکہ ہمیشہ کے لیے بوجھ بن جاتے ہیں۔ اور کبھی اپنے والدین کو زندہ دفن بھی کردیتے ہیں۔

مسلسل بے ہودہ پروگرام اور تشہیری مہم

بچوں کے لیے کارٹون اور اپنے لیے کیا درسِ قرآن وسنت!! انہیں اپنے لیے فنکاروں، بے حیاؤں اور معاشرے کے ناسوروں کے بے ہودہ پروگرام جو جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعے ہر جگہ، ہر وقت اور ہر صورت میں میسر ہیں۔ شاید ہی کوئی گھرانہ ہو جو ان آلودگیوں سے پاک ہو۔ جھوٹ کہتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ان فلموں ڈراموں کا اثر نہیں ہوتا۔ یہ تازہ واقعہ اور ان دونوں کے ''وصیت نامے'' فلم میں دیکھے بولے جانے والے ڈائیلاگ کی پوری پوری عکاسی کررہے ہیں۔ ان پروگراموں اور فلموں کے بہت برے اثرات ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس گھرانے سے غیرت وحمیت کا جنازہ نکل جاتا ہے، جس گھرانے کے افراد مل بیٹھ کر فلمیں یا ڈرامے دیکھتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہیجان انگیز مناظر دیکھ کر بعض اوقات محرم رشتوں کی پہچان نہیں رہتی، تیسرا بڑا نقصان یہ ہے کہ ساز وآواز کی وجہ سے رحمت کے فرشتے نہیں آتے، چوتھا بڑا نقصان ان بچوں اور نوجوانوں کا ہوتا ہے جو پڑھنے لکھنے اور کچھ بننے کی عمر میں اپنی منزل ہی کوئی ''اور'' بنا لیتے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ گھر میں 8,8 گھنٹے بے ہودہ پروگرام چل رہے ہوں اور انھیں دیکھنے والے ان کے اثرات سے محفوظ رہیں۔ بچے اور نوجوان تو ویسے بھی بہت جلدی سیکھتے ہیں۔ اور کچھ نہ بھی ہو تو کمرشل بریک کی صورت میں بہت کچھ دکھا کر اشارہ کردیا جاتا ہے جو ان نوجوان ''عقلمندوں'' کے لیے کافی ہوتا ہے۔

بڑوں کا طرزِ عمل

بچے اپنے بڑوں سے بہت کچھ سیکھتے ہیں۔ مادری زبان اس کی واضح مثال ہے۔ گھر بولی جانے والی زبان اپنے بڑوں سے سیکھ کر بچے کیسے یاد کرلیتے ہیں۔ یہ تو زبان ہے، ادائیں بھی سیکھتے ہیں، انداز بھی اپناتے ہیں اور گفتگو بھی سنتے ہیں۔ اور ہم سب جانتے ہیں کہ ہم اپنی نئی نسل کو کیا دے رہے ہیں۔ ہم یکسر غیر محتاط ثابت ہوئے ہیں۔ بچوں کے سامنے بے ہودہ باتوں اور گالیوں سے بھی نہیں کتراتے۔



سکول میں غیر نصابی سرگرمیاں

غیر نصابی سرگرمیاں صلاحیتوں میں نکھار پیدا کرتی ہیں۔ مگر جب ایک بچہ گھر اور ماحول کے اثرات کو قبول کرکے ایسی سرگرمیوں میں حصہ لیتا ہے اس کا مطمح نظر صلاحیتوں میں اضافے کی بجائے کسی کی نظروں میں سما جانا ہوتا ہے۔ ایسے نوجوان ستاروں پر کمندیں ڈالنے کے بجائے ''ستاراؤں'' پر نظریں جماتے ہیں۔ پچھلے دور حکومت میں میوزک کو باقاعدہ مضمون کے طور پر متعارف کرایا گیا۔ جس کی باقیات اب بھی موجود ہیں۔

مخلوط تعلیم

مخلوط تعلیم کو عام کیا جارہا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے 10 سال کے بچوں کے بستر علیحدہ کرانے کا حکم دیا ہے۔ اس کی حکمتیں ہیں۔ ان حکمتوں سے ہم فائدہ نہیں اٹھاتے۔ ہم 20,15 اور 25 سال کے سٹوڈنٹس کو ساتھ ساتھ بٹھاتے ہیں۔ سکول بھی ایک، ٹیوشن سنٹر بھی ایک ہو تو پھر تو شیطانیت کو بھرپور موقع ملتا ہے۔ مگر ہم یہی کہہ کر کہ ابھی بچہ / بچی ہے خود ہی سنبھل جائے گا پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ اسی طرح اساتذہ بھی کوئی ایسی ویسی بات دیکھ کر چپ سادھ لیتے ہیں۔ ایک تو انھیں والدین اور سرپرستوں کی طرف سے نشانہ بننے کا ڈر ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ بعض اساتذہ میں تعلیم برائے تعلیم کا جذبہ ہوتا ہے تربیت کا نہیں۔ جبکہ کچھ اساتذہ تو خود سے ایسا ماحول بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ آئے دن سکولوں میں پروگرام، مختلف قسم کے لباس اور بے ہودہ پروگراموں کی پیشکش ہمارے تعلیمی نظام کا حصہ بن چکا ہے۔ پچھلے دنوں اسلام آباد ایک سکول کے بک فیئر پر اسلام اور پاکستان کے نظریات کے مخالف لٹریچر تقسیم کیا گیا جس میں قوم لوط کے عمل کی ترغیب اور جنسی تعلیم تھی۔ ایک نوعمر جس کے ذہن میں شروع ہی سے ہر سطح پر جنسی ''تعلیم'' عام کردی گئی تو اس کا عملی اظہار سرزد ہونا کوئی عجوبہ نہیں۔

بچہ بچہ کرکے بچتے رہنا

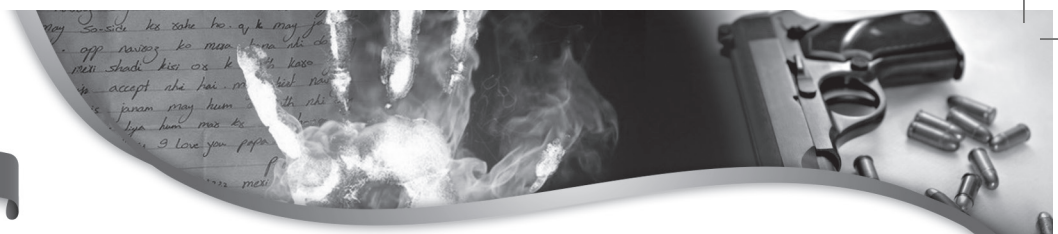
جدید ذرائع ابلاغ اور معاشرے نے بچوں کو عمر سے پہلے ہی ''سمجھدار'' بنا دیا ہے۔ پہلے جو جذبات کالج یا یونیورسٹی لیول میں بھڑکتے تھے اب پرائمری اور مڈل کی سطح تک پہنچ چکے ہیں۔ اس لیے عنفوانِ شباب سے پہلے ہی ان پر نظر رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ مگر والدین ابھی بچہ ہے کہہ کر ہر بات کو ٹالتے رہتے ہیں۔ ہونا یہ چاہیے کہ جب جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ رہے ہوں انھیں پورا احساس ہو کہ اب ہم بچپن کی معصومیت سے نکل کر جزا و سزا کی عمر میں داخل ہو رہے ہیں۔ کیونکہ بلوغت کو پہنچتے ہی اسلامی احکامات اپنے ماننے والوں کو اپنا مخاطب بنالیتے ہیں۔ ہماری نظروں میں گو وہ بچے ہی ہوتے ہیں لیکن ان کے اعمال اب شریعت کی میزان میں باقاعدہ رکھ کر ان کا حساب کتاب شروع ہو چکا ہوتا ہے۔

یہاں تک تو بات تھی معاشرے میں پھیلے ہوئے زہریلے اثرات کی جس سے نوجوان نسل ہی نہیں بلکہ اچھے بھلے افراد بھی متاثر ہو رہے ہیں۔

زندگی کے ہم سفر کا خود ہی انتخاب

اب اگلا سوال یہ ہے کہ کیا لڑکی یا لڑکے کو خود ہی اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنے شریک حیات کا انتخاب کرسکیں۔ اس حوالے سے ہمارے معاشرے میں تین رجحانات ہیں۔ ایک تو وہ طبقہ ہے جو خود ہی کلی اختیار کا مالک بن بیٹھا ہے۔ وہ خود ہی انتخاب کرتے ہیں اور عدالتی نکاح کرالیتے ہیں۔ ایک طبقہ وہ ہے جن کے سارے فیصلے بڑوں کے سپرد ہوتے ہیں۔ جنھیں شادی کے بعد زندگی گزارنی ہوتی ہے، انھیں خبر تک نہیں ہوتی اور برادری یا مختلف ترجیحات کی بنیاد پر ان کے رشتے طے کردیے جاتے ہیں۔ تیسرا طبقہ وہ ہے جو رشتہ طے کرتے ہوئے بچوں کی رائے لیتا ضرور ہے، خواہ ان کی رائے کا خیال رکھے یا نہ رکھے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ نوجوان نسل نے سمجھ رکھا ہے کہ زندگی ہم نے گزارنی ہے اور ہماری چاہتیں ادھوری رہ رہی ہیں۔ پھر وہ خود اپنا راستہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور وہ دھوکے میں رہتے ہیں۔ ایسے رشتے اکثر ناکام ہوتے ہیں۔ اپنی چاہتوں کے سمندر میں کودنے میں امریکہ سے زیادہ آزادی اور کہاں ہوگی؟ مگر سب سے زیادہ ناکام ازدواجی زندگی وہاں ہی ہے۔ اگر آپ اپنے ملک کا جائزہ لیں تو سب سے زیادہ کیس ''خلع'' کے دائر ہوتے ہیں اور ان کیسوں کی اکثریت Love Marriage



کے بے اعتماد دھاگے میں پروئی ہوتی ہے۔ گویا ایسے نوجوان لڑکے لڑکیاں بظاہر اپنے لیے اچھا فیصلہ کرتے ہیں مگر والدین اور بڑوں کی رائے، تجربات اور مشاہدات سے فائدہ نہ اٹھانے کی وجہ سے ناکام رہتے ہیں۔ کیونکہ زندگی کے نباہ کے لیے محض ظاہری شکل و صورت اور ناز و انداز ناکافی ہوتے ہیں۔ ایسے نوجوان ایک طرف تو معاشرے میں ایک غلط تصور کو پروان چڑھاتے ہیں دوسری طرف وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی واضح نافرمانی کررہے ہوتے ہیں۔ حدیث ہے: «أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ» ''جس بھی خاتون نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو اس کا نکاح باطل ہے۔'' (صحيح الجامع، حديث: 2709، جامع الترمذي، حديث: 187) اس حدیث کی رو سے جہاں لڑکی اللہ کی عدالت میں مجرم ہے وہاں وہ لڑکا بھی مجرم ہے کیونکہ وہ اس غلط کاری کے تمام مراحل میں اس کے شانہ بشانہ ہے۔ اگرچہ عام حالات میں مرد کو خود اپنا فیصلہ کرنے کی اجازت ہے۔

جیسے مذکورہ طبقے نے والدین کو پس پشت ڈالا اسی طرح بچوں کی رائے پر اپنی رائے کو زبردستی مسلط کرنے والے والدین بھی موجود ہیں۔ شریعت نے اس طرزِ عمل کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔ حدیث مبارکہ ہے: سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ نے بارگاہِ رسالت میں اپنی رائے کا برملا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے حق مہر واپس دلوا کر ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ انھیں علیحدہ کردیں۔ اس علیحدگی کی بنیاد دین میں کمی نہیں تھی بلکہ ناپسندیدگی تھی۔ تو اگر اس بنیاد پر شادی شدہ جوڑے کو علیحدہ کیا جاسکتا ہے تو شادی سے پہلے ان کی رائے کا خیال کیوں نہیں رکھا جاسکتا۔

آپ ﷺ نے جب اپنی صاحبزادیوں میں سے کسی کا نکاح کرنا ہوتا تو اس کے پاس اس کے گوشے میں چلے جاتے، پھر فرماتے: ''فلاں شخص فلاں خاتون کا تذکرہ کررہا تھا'' اس دوران آپ علیہ السلام جس صاحبزادی سے بات کررہے ہوتے اس کا نام بھی لیتے۔ اگر وہ خاموش ہوجاتیں تو ان کا نکاح کردیتے یا پھر وہ ناپسند کرتیں تو وہ اپنے گوشے کے پردے کو ہلاتیں تو آپ ﷺ ان کا نکاح اس شخص سے نہ کرتے۔ (مسند أحمد: 6/78، والسلسلة الصحيحة: 2973)

قارئین آپ جانتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کی رائے سے بہتر رائے، دوراندیشی اور ہمدردی کس میں ہوسکتی ہے مگر آپ علیہ السلام نے بھی کئی رشتوں کو اس لیے چھوڑا کہ آپ کی صاحبزادیوں نے انھیں پسند نہیں کیا جیسا کہ حدیث سے واضح ہے۔ تو ہمیں بھی چاہیے کہ ہم رسمی نہیں بلکہ ایک شرعی حکم سمجھ کر بیٹیوں سے آزادانہ رائے لیں۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ امام کائنات ﷺ نے کیسا اعلیٰ اسوہ ہمارے لیے چھوڑا ہے۔ اس حدیث پر عمل کرنے سے یہ فائدہ ہوگا کہ یقیناً نوجوان نسل اپنے بڑوں کو کبھی نظرانداز نہیں کرے گی۔

حدیثِ مذکور میں ایک لطیف اشارہ یہ بھی ہے کہ لڑکے لڑکیوں کو اپنے آس پاس رہنے والوں کا علم ہوسکتا ہے۔ ایسی معلومات شریعت میں ممنوع نہیں ہیں۔ آیئے ایک اور حدیث پڑھتے ہیں: عہد نبوی ہے۔ قدوسی صفات کے حامل صحابہ کرام اور صحابیات ہیں جن پر آفتابِ رسالت کی کرنیں براہِ راست پڑ رہی ہیں۔ اسی عہد زریں کا ایک شخص بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوکر عرض کرتا ہے کہ میری نگرانی میں ایک یتیم لڑکی پرورش پارہی ہے۔ اسے دو رشتے آئے ہیں ایک مالدار شخص ہے دوسرا کنگھال ہے۔ ہماری خواہش یہ ہے کہ مالدار سے اس کا نکاح کریں، جبکہ لڑکی تنگدست کو چاہتی ہے۔ یہ نبوی عدالت افراط و تفریط اور ذاتی رجحانات اور شدتوں سے ماورا تھی۔ یہاں یہ سوال پیدا نہیں ہوا کہ لڑکی کا کیا کام ہے کہ وہ کسی کو چاہے یا اسے یہ جرأت کیوں ہوئی بلکہ محترم قارئین آپ کے لیے شاید نئی بات ہو کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «لَمْ يُرَ فِي الْمُتَحَابَّيْنِ مِثْلُ النِّكَاحِ» ''باہم محبت کرنے والے مرد و عورت کے لیے نکاح جیسی کوئی چیز ہی نہیں۔'' (السلسلة الصحيحة، حديث: 624)

میرے علم میں ہے کہ دورِ حاضر کے کچھ ارباب علم نے اس حدیث کے معنی یہ کیے ہیں کہ میاں بیوی کے لیے نکاح سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں.....لیکن سلف کے اقوال، الفاظ کی ترکیب اور حدیث کا سیاق واضح طور پر مذکورہ مفہوم کی تائید کررہے ہیں۔

حدیث مذکور کی روشنی میں زیرنظر مسئلے کا حل یہ نکلتا ہے کہ نئی نسل کو معاشرے کے برے



اثرات سے بچانے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے مگر حادثاتی طور پر یا مخلوط نظام اور اس کی مجبوریوں کی وجہ سے کسی کی کسی سے محبت ہوجائے اور دین کا نقصان نہ ہورہا ہو تو لڑکی کے والدین انا کا مسئلہ بنائے بغیر اس کا نکاح خوشی سے کردیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ ہم شروع میں خیال نہیں رکھتے اور جب پانی سر سے گزر جاتا ہے تب ہمیں اپنی عزت عزیز تر ہوجاتی ہے اور انا کا مسئلہ بنالیتے ہیں یا پھر برادری ازم یا مال و دولت میں کمی کی وجہ سے رشتے چھوڑ دیے جاتے ہیں۔

ہمارے معاشرے میں جیسے ہر چیز میں دونمبری عام ہوگئی ہے، اسی طرح محبت میں بھی دونمبری عام ہوگئی ہے۔ محبت کے جھانسے میں آکر بہت سی لڑکیاں ہوس کا نشانہ بن چکی ہیں۔ دراصل کسی سے محبت ہوجانا علیحدہ چیز ہے مگر محبت میں آکر میل ملاقات، خط کتابت، چیٹنگ اور تنہائیاں یہ سب باتیں اسلام میں قطعاً ممنوع ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَلَا مُتَّخِذَاتِ اَخْدَانٍ﴾ ''اور نہ چھپے دوست اختیار کرنے والی ہوں۔'' (النسآء 25:4) چھپی دوستی اور اس کے ضمن میں جو کچھ آسکتا ہے وہ ممنوع ہے۔

باہمی رابطوں کی سہولت

جدید ذرائع ابلاغ کی صورت میں باہمی جائز و ناجائز روابط کو بہت فروغ ملا ہے۔ آواز کے ساتھ ساتھ تصاویر بھی گھومتی رہتی ہیں۔ بنی سنوری خواتین تقریبات میں بڑے شوق سے ویڈیو بنواتی ہیں۔ ان جدید سہولیات نے رہی سہی کسر بھی نکال دی ہے۔ بعض اوقات ایک رونگ کال ہی پر بات بہت آگے چلی جاتی ہے، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے بچوں کو ان جدید ذرائع ابلاغ سے حتی المقدر بہت دور رکھیں۔

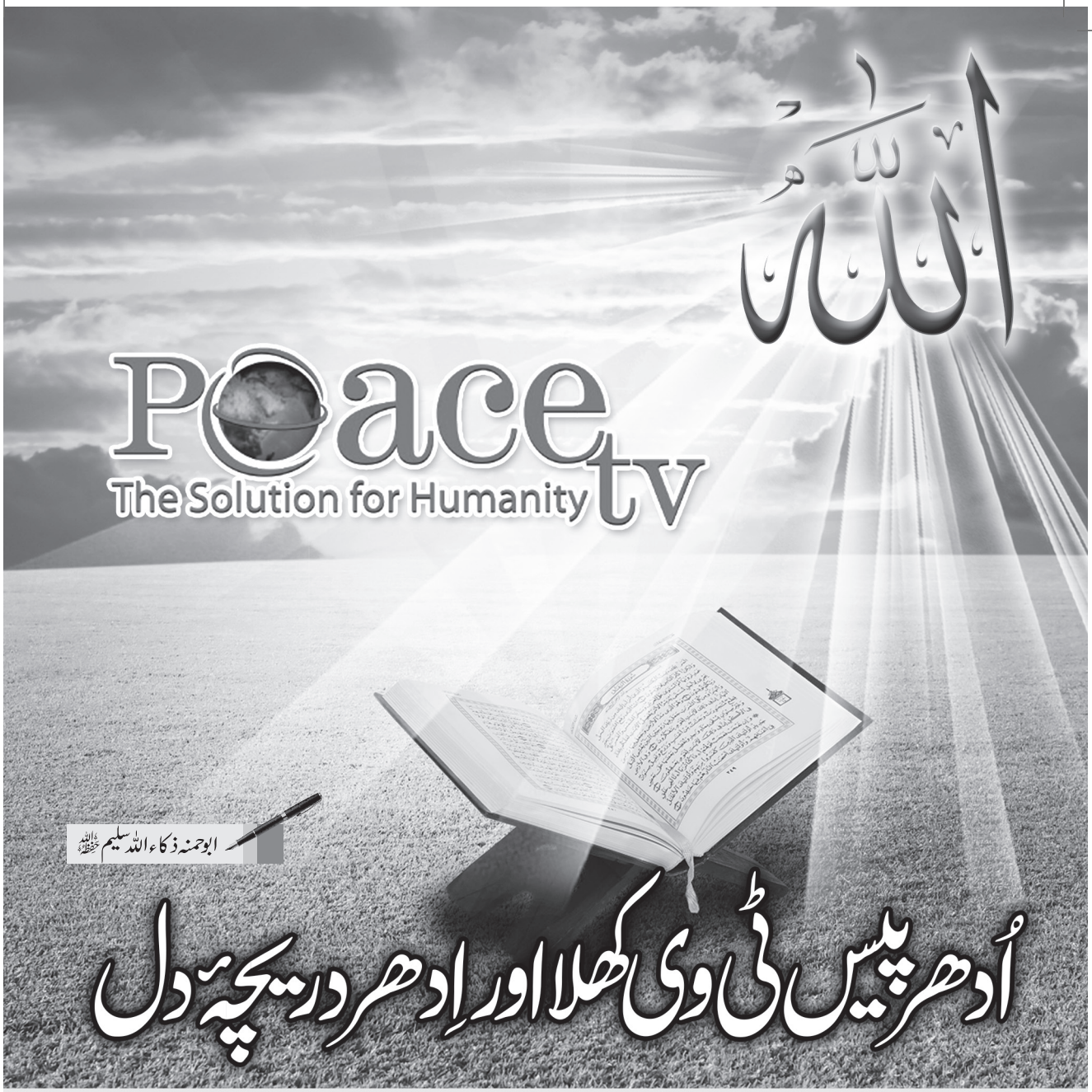
ہر خواہش پوری کرنے کا جنون

انسان کو خواہشات ادھوری چھوڑ کر آخر جانا ہی پڑتا ہے۔ خواہش کا پیدا ہونا کوئی جرم نہیں مگر وہ خواہش جب انسان کی زندگی نچوڑ لے اور ہو بھی ناجائز تو یہ انسان کے لیے گھاٹے کا سودا ہے۔ ہماری نوجوان نسل کی ایک بڑی آرزو یہ ہوتی ہے کہ ان کی زندگی میں کوئی نمایاں ساتھی آئے، تاکہ امیدوں کے دیپ روشن اور گھر کے آنگن میں خوشیوں کے پھول کھلتے چلے جائیں۔ اب کیا ضروری ہے کہ اگر کسی کی خواہش اس دنیا میں پوری نہیں ہوئی تو اپنی زندگی ختم کرلی جائے۔ دراصل یہ جہاں خواہشوں کی تکمیل کے لیے بنایا ہی نہیں گیا۔ خواہشوں کی تکمیل کے لیے اگلا جہان ہے۔ اگر ساری خواہشیں یہاں ہی پوری ہوں تو پھر انعام میں ملنے والی زندگی میں اور اس زندگی میں کوئی فرق نہیں رہتا۔

نوجوان جس حسن و جمال پر مرتے پھرتے ہیں، یہ عارضی ہے، جبکہ آخرت کا حسن دائمی ہے ویسے بھی یہ حسن و جمال اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: «وَلَو أَنَّ امْرَأَةً مِنْ نِّسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَتْ إِلَى الْأَرْضِ لَأَضَاءَ تْ مَا بَيْنَهُمَا» ''اور اگر جنتیوں کو ملنے والی عورتوں میں کوئی ایک عورت زمین کی طرف جھانکے تو آسمان و زمین کا مابین روشن ہوجائے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 6568)

لہٰذا ایسے تو کیا جاسکتا ہے کہ آخرت والی ہمیشہ کی زندگی اور اس کے نظاروں کی خاطر دنیا کی خواہشیں ادھوری چھوڑ دی جائیں مگر ایک دانا شخص عارضی اور کم تر نعمتوں کی خاطر آخرت کی نعمتیں قربان نہیں کرسکتا۔

فاطمہ حمید اور نوروز نے جو چھپی دوستی رکھی، ناجائز تعلقات رکھے اور خودکشی بھی کرلی یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ اگلے جہاں میں مل جائیں گے۔ یہ سب شرعی جرائم ہیں۔ معاشرتی اسباب و عوامل اپنی جگہ مگر مجرموں کے ساتھ فرمانبرداروں والا معاملہ نہیں ہوگا۔ خصوصاً خودکشی یا قتل تو بہت بڑے جرائم ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے خودکشی کرنے والا جس لوہے سے خودکشی کرے گا آخرت میں اسے مسلسل اسی سے عذاب دیا جائے گا۔ (صحيح البخاري، حديث: 1363) آیئے قرآن مجید سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ دونوں اگلے جہاں میں بھی ایک دوسرے کے دوست ہوں گے؟ قرآن مجید نے تو ایک واضح ضابطہ مقرر فرمادیا: ﴿اَلْاَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ﴾ ''متقین کے سوا سب گہرے دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔'' (الزخرف 67:43) اب کسی نوجوان مسلمان کو اس حوالے سے دھوکے میں نہیں رہنا چاہیے۔ آیت مبارکہ کی رو سے اگلے جہان میں ملنے کے یہ آرزومند ایک دوسرے کے پکے دشمن بن چکے ہوں گے۔ یہی فرق دنیا اور آخرت کا ہے۔



ابو حمنہ ذکاء اللہ سلیم حفظہ اللہ

اُدھر پیس ٹی وی کھلا اور اِدھر دریچۂ دل

روبن لی (Robinlee) اسلام کی چوکھٹ پر کیسے آئے؟

ضیائے حدیث السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عبدالرحیم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ضیائے حدیث آپ سے ملاقات تو کئی بار ہوئی ہے مگر آپ سے تعارف اور بالخصوص قبول اسلام کی داستان سننے کا موقع میسر نہیں آیا۔

عبدالرحیم آپ نے جب مجھ سے انٹرویو کی بات کی تو مجھے بہت خوشی ہوئی۔ آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے ایک کارِ خیر میں مجھے شامل ہونے کا موقع دیا ہے۔

ضیائے حدیث آپ کا پیدائشی نام کیا ہے؟

عبدالرحیم روبن لی (Robinlee)۔

ضیائے حدیث برطانیہ کے کس شہر سے تعلق ہے؟

عبدالرحیم میری پیدائش برمنگھم میں ہوئی اور یہیں پرورش پائی۔ اگرچہ میرے والدین کا تعلق آئرلینڈ (Ireland) سے تھا۔

ضیائے حدیث آپ کی عمر پچاس کے لگ بھگ لگتی ہے؟

عبدالرحیم اس وقت میری عمر 54 سال ہے۔

ضیائے حدیث اس سے قبل کہ آپ کی داستانِ قبولِ اسلام سنی جائے آپ اپنی تعلیمی اہلیت کے بارے میں کچھ بتانا پسند کریں گے؟

عبدالرحیم میری تعلیم بالکل بنیادی سی ہے۔ GCSE (میٹرک) کے بعد مزید تعلیم حاصل نہیں کی۔

ضیائے حدیث اس کی کیا وجہ تھی؟

عبدالرحیم اس کی دو بڑی وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ میں بچپن ہی سے پڑھائی میں کمزور تھا اور پڑھائی سے زیادہ کھیل کود اور میوزک سننا پسند ہوتا تھا۔ چنانچہ (برطانوی قانون کے مطابق لازمی تعلیم) GCSE کے بعد، جبکہ میری عمر سولہ سال تھی، میں نے اپنا وقت میلوں ٹھیلوں اور بالخصوص موسیقی کے پروگراموں میں لگانا شروع کردیا۔ میں موسیقی اور گانے بجانے کا بہت دلدادہ تھا۔ بس انھی کاموں میں وقت گزرتا گیا اور میں اپنی تعلیم جاری نہ رکھ سکا۔ دوسری وجہ استاذ کی ڈانٹ ڈپٹ اور مار پیٹ بھی تھی۔ ہمارے بچپن میں سکولوں میں مار پیٹ ممنوع نہیں تھی۔ چنانچہ پڑھائی میں عدم دلچسپی اور کمزوری کی وجہ سے جب کبھی میں استاذ کے سوال کا جواب نہ دے پاتا تو میرا مذاق اڑایا جاتا تھا اور بسا اوقات سب کے سامنے استاذ پٹائی بھی کردیتے تھے جس کی وجہ سے میں رفتہ رفتہ تعلیم سے بیزار ہوگیا۔

ضیائے حدیث کیا آپ کے والدین نے اس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد نہیں کی؟

عبدالرحیم میرے والد کو میری تعلیم میں کوئی دلچسپی نہیں تھی، بلکہ وہ تو شراب نوشی کے سخت عادی تھے اس لیے ان کو کسی سے کوئی سروکار نہیں ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ میرا ان کے ساتھ تعلق اچھا نہیں رہا بلکہ ایک لمبے عرصے سے میرا ان سے رابطہ ہی منقطع ہے۔

ضیائے حدیث آپ کی اپنے والد سے آخری ملاقات کب ہوئی تھی؟

عبدالرحیم سکول کے آخری ایام سے ان سے رابطہ منقطع ہے اور یہ غالباً 1975ء کے آس پاس کی بات ہے۔

ضیائے حدیث اس کے بعد سے آپ کا کبھی فون یا خط کتابت کے ذریعے بھی ان سے رابطہ نہیں ہوا؟ یا ان کے بارے میں علم بھی نہیں ہے کہ وہ کہاں ہیں؟

عبدالرحیم نہیں! بالکل کوئی خبر نہیں۔

ضیائے حدیث تو والدہ کے ساتھ رابطے کی کیا صورتِ حال ہے؟

عبدالرحیم والدہ میرے بچپن ہی سے سخت ذہنی دباؤ اور نفسیاتی مرض (Depression) کا شکار تھیں۔ ان کے ساتھ میرا رابطہ تو رہا ہے مگر میری زندگی ان سے علیحدہ ہی گزری ہے۔

ضیائے حدیث کیا وہ ابھی زندہ ہیں؟

عبدالرحیم نہیں وہ تقریباً چھ سال قبل وفات پاگئی تھیں۔

ضیائے حدیث آپ کے کوئی بہن بھائی بھی ہیں؟

عبدالرحیم صرف دو بہنیں ہیں۔ ان سے بھی 1990ء کے بعد سے کوئی رابطہ نہیں۔

ضیائے حدیث اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے تو زندگی اکیلے ہی گزاری ہے؟

عبدالرحیم جی ہاں! ایسے ہی ہے۔

ضیائے حدیث تو پھر ان حالات میں اسلام کی کیا سوجھی؟

عبدالرحیم دراصل اکیلے زندگی گزارنا آسان نہیں ہے۔ انسان ہمیشہ دوسروں کا محتاج ہوتا ہے۔ میں نے بھی اپنی اس محتاجگی کو دور کرنے کے لیے بہت ہاتھ پاؤں مارے ہیں۔ آخر کسی طریقے سے میرے تعلقات ایک عورت سے استوار ہوگئے جس کا تعلق کردستان سے تھا۔ اور وہ عورت ایک بت پرست ہندو تھی۔ جبکہ اس کے والدین مسلمان تھے۔ وہ سولہ سال کی عمر میں گھر سے فرار ہوکر ہندو مذہب اختیار کرچکی تھی۔ ہم نے اکٹھے رہنا شروع کردیا اور اس کے ساتھ تعلقات کی بنا پر میں بھی ہندو مذہب کا مطالعہ کرنے لگا۔

ضیائے حدیث اس سے قبل کیا آپ عیسائی تھے؟

عبدالرحیم جی! چونکہ میرے والدین کا تعلق عیسائی فرقے رومن کیتھولک سے تھا، اس لیے بچپن ہی سے جب تک والدین کے ساتھ رہا چرچ جایا کرتا تھا۔ مگر اس وقت بھی میرا دل عیسائیت کو قبول نہیں کرتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ جب میری عمر سات سال تھی میں نے اس وقت ایک مرتبہ چرچ کے پادری سے کہا تھا کہ عیسائیت کے عقائد میری سمجھ سے بالاتر ہیں۔ اس پر پادری نے کہا کہ تم ابھی بچے ہو تمھیں اس لیے ابھی سمجھ نہیں آئے گی۔

ضیائے حدیث تو پھر آپ اس کے باوجود بھی چرچ جاتے رہے؟

عبدالرحیم جی! لیکن مجبوراً کیونکہ میرے والدین مجھے چرچ جانے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ آخرکار میں اس حد تک عیسائی عقائد و تعلیمات کے بارے میں تشویش کا شکار ہوگیا کہ میں یہ سوچنے لگا کہ چرچ میں جو کچھ پادری پڑھتا ہے میں بھی وہی پڑھتا ہوں مگر یہ باتیں میری سمجھ میں کیوں نہیں آتیں۔ پھر جب میں گیارہ سال کی عمر کو پہنچا تو میں نے جرأت کرکے پادری سے یہ سوال کیا کہ آخر بائبل کے بہت سے مختلف نسخے کیوں ہیں؟ اور ان نسخوں میں باہمی تفاوت کیوں ہے؟

ضیائے حدیث تو پادری کا کیا جواب تھا؟

عبدالرحیم وہی جواب جو اس سے پہلے مجھے دیا جاتا تھا کہ تم ابھی بچے ہو، ابھی یہ باتیں تمھاری سمجھ میں نہیں آئیں گی۔ جبکہ میرا خیال تھا کہ ان باتوں کی سمجھ پادری سے زیادہ مجھے ہے اور وہ خود ان کی وضاحت کرنے سے بھی قاصر ہے۔

ضیائے حدیث آپ بتا رہے تھے کہ آپ نے ہندو مذہب کا مطالعہ کرنا شروع کیا؟

عبدالرحیم میں نے ہندو مذہب کا مطالعہ کرنا تو شروع کیا مگر میرا دل اس پہ بھی مطمئن نہیں تھا۔ چنانچہ ایک روز میں ٹی وی کے سامنے بیٹھا مختلف چینلز بدل بدل کر دیکھتا جا رہا تھا کہ اچانک پیس ٹی وی (Peace T.V) میرے سامنے کھل آیا۔ اس پر ڈاکٹر ذاکر نائیک کی تقریر جاری تھی۔ میں وہیں رک گیا اور اسے سننے دیکھنے لگا۔ ڈاکٹر صاحب کی ہر بات گویا میرے دل و دماغ میں سما رہی تھی۔ مجھے یوں لگا کہ ان کی ہر بات عقل سے مطابقت رکھتی ہے۔ وہ ہندو مذہب کے بارے ہی میں گفتگو کر رہے تھے۔ ان کی ایک ایک بات آئینے کی طرح صاف شفاف لگ رہی تھی۔ چنانچہ میں نے (Peace T.V) کو باقاعدگی سے دیکھنا شروع کر دیا۔ ہمارا ٹی وی کچن میں ہوتا تھا۔ جب کبھی ہم کچن میں جاتے تو میں بہانے بہانے سے (Peace T.V) لگانے کی کوشش کرتا جبکہ میری گرل فرینڈ جس کا نام امینہ تھا فلموں اور ڈراموں والے دوسرے چینلز لگانے کی کوشش کرتی۔ آخر ایک دن اس نے مجھ سے پوچھ ہی لیا کہ کیا تم مسلمان ہونا چاہتے ہو۔ میں نے کہا کہ ہوسکتا ہے میں مسلمان ہوجاؤں کیونکہ میں نے (Peace T.V) پر جو کچھ سنا اور دیکھا ہے مجھ عین عقل کے مطابق لگا ہے۔ اس پر وہ کہنے لگی کہ اگر تم مسلمان ہونا چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں بلکہ میں تمھارا ساتھ دوں گی۔ مجھے اس کی بات سے بہت حوصلہ ملا۔ پھر میں نے ایک اسلامی کتب خانے پر جا کر وہاں سے کچھ کتابیں خریدیں اور ان کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔ کچھ ہی ہفتوں کے بعد میں نے ازخود کلمہ پڑھ لیا کیونکہ میں کسی مسلمان یا کسی مسجد سے واقف نہیں تھا۔ ان دنوں ہی رمضان بہت قریب آ رہا تھا اور میں چاہتا تھا کہ رمضان سے پہلے پہلے مسلمان ہوجاؤں اور پھر روزے بھی رکھوں۔ اس لیے میں نے کسی کا انتظار نہیں کیا کہ کوئی مجھے کلمہ پڑھائے اور مسلمان کرے۔

ایک روز میں ٹی وی کے سامنے بیٹھا مختلف چینلز بدل بدل کر دیکھتا جا رہا تھا
کہ اچانک پیس ٹی وی (Peace T.V) میرے سامنے کھل آیا۔ اس پر
ڈاکٹر ذاکر نائیک کی تقریر جاری تھی۔ میں وہیں رک گیا اور اسے سننے دیکھنے
لگا۔ ڈاکٹر صاحب کی ہر بات گویا میری دل و دماغ میں سما رہی تھی

ضیائے حدیث آپ نے اپنے آس پاس میں کسی مسلمان کا پتہ لگانے کی کوشش بھی نہیں کی؟

عبدالرحیم کوشش تب کی جب امینہ بھی میرے ساتھ گاہے گاہے اسلامی کتب خانے پر جانے لگی۔ وہاں ہماری ملاقاتیں دوسرے نومسلم حضرات و خواتین سے ہونے لگیں اور ہر کوئی کہتا کہ نومسلم لوگوں کی رہنمائی کے لیے سب سے بہتر مرکز گرین لین مسجد ہے۔ چنانچہ ہم نے مسجد کو ایک ای میل بھیجی جس میں علانیہ طور پر قبول اسلام کا اظہار کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ دو دن کے بعد مسجد کی طرف سے ہمیں میزان بھائی نے فون کیا اور کہنے لگا کہ اگر تم چاہو تو ہم تمھارے گھر آجائیں تاکہ تم سے بات چیت ہوجائے۔ ہم نے ان سے آنے کا کہہ دیا۔ جب وہ ہمارے گھر آئے تو ہم دونوں کو ایشیائی لباس یعنی شلوار قمیض میں ملبوس دیکھ

کر متعجب ہوئے۔ وہ اپنے ساتھ کچھ کتابیں بھی لے کر آئے تھے جو انھوں نے ہمیں مطالعہ کے لیے دیں۔

ضیائے حدیث یہ کس سال کی بات ہے؟

عبدالرحیم یہ مئی 2011ء کی بات ہے۔ کچھ دنوں کے بعد مسجد کی طرف سے ہمیں دوبارہ فون آیا اور ہمیں دعوت دی گئی کہ آپ لوگ مسجد میں آئیں اور اپنے قبول اسلام کا اعلان سب کے سامنے کریں۔ چنانچہ ہم مسجد میں پہنچے اور وہاں سب کے سامنے شہادتِ اسلام دی۔ اس کے چند ماہ بعد امینہ نے مکمل پردے کا اہتمام شروع کر دیا کیونکہ وہ مسلمان عورتوں سے بہت قریب ہو چکی تھی۔ اسے دیکھ کر مجھے بھی بہت حوصلہ ہوا۔ میں بھی شلوار قمیض اور عربی کرتہ باقاعدگی سے پہننے لگا۔ ہم لوگ جب گھر سے باہر جاتے تو بسا اوقات متعصب غیر مسلم ہمیں طعنے دیتے اور کہتے کہ یہ ملک تمھارا نہیں ہے تم مسلمان کسی اور ملک میں جاؤ لیکن ہم نے کبھی ان کے طعنوں کی پروا نہیں کی۔ ہم چونکہ اسلامی تعلیمات سے ابھی مکمل طور پر آگاہ نہیں تھے۔ ہم دونوں بغیر نکاح کیے ہی اکٹھے رہتے رہے۔ حتی کہ مسجد والوں کو پتہ چلا کہ ہم میاں بیوی نہیں ہیں (یعنی ہمارا نکاح نہیں ہوا بلکہ نکاح کیے بغیر ہی اکٹھے زندگی گزار رہے تھے جیسا کہ بہت سے غیر مسلموں کا یہ طرزِ زندگی ہے) تو انھوں نے ہمیں فوری طور پر نکاح کرنے کا مشورہ دیا۔ پھر ہم نے گرین لین مسجد ہی میں نکاح بھی کر لیا۔ نہایت خوشی کی بات یہ تھی کہ جب امینہ کے والدین کو پتہ چلا کہ ہم دونوں مسلمان ہو گئے ہیں اور اب اسلامی نکاح کرنے لگے ہیں تو وہ بھی نکاح کی تقریب میں شامل ہوئے جبکہ اس سے قبل وہ اپنی بیٹی سے لاتعلقی اختیار کر چکے تھے۔ کیونکہ وہ اس کے ارتداد اور ناجائز تعلقات کی بنا پر نالاں تھے۔

ضیائے حدیث یہ تو بہت اچھا ہوا کہ آپ دونوں نے نکاح کر لیا اور اب تو زندگی بہت خوشگوار گزر رہی ہوگی؟

عبدالرحیم اسلام قبول کرنے کی، نکاح کرنے کی اور اس کے ساتھ ساتھ گرین لین مسجد کی طرف سے ملنے والے بھرپور تعاون کی خوشی تو بہت تھی مگر کچھ ہی عرصے کے بعد حالات تبدیل ہو گئے۔

ضیائے حدیث اللہ خیر کرے کیا ہوا؟

عبدالرحیم ہوا یہ کہ میرے اور امینہ کے درمیان اختلافات شروع ہو گئے۔ اور بات یہاں تک پہنچی کہ وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔

ضیائے حدیث اختلافات کی وجہ کیا تھی؟

عبدالرحیم سب سے بڑی وجہ عمر کا فرق تھا۔ میری عمر پچاس جبکہ اس کی عمر پچیس کے قریب تھی۔ دکھ کی بات یہ ہے کہ اس نے کسی اور شخص سے تعلقات قائم کر لیے جو کہ غیر مسلم ہے اور اس کے ساتھ جا کر رہنے لگی۔

ضیائے حدیث یا للعجب! کلمہ پڑھنے، پردے کا اہتمام کرنے اور اتنے سال آپ کے ساتھ گزارنے کے بعد بھی وہ یہ حرکت کر گزری؟

عبدالرحیم وہ چونکہ ابھی جوانی کی عمر میں تھی اس لیے اسے اولاد کی خواہش تھی جبکہ میں بڑھاپے کی طرف جا رہا ہوں، یہی وہ چیز تھی جسے وہ برداشت نہیں کر سکی۔

ضیائے حدیث جن مسلمان خواتین کے ساتھ اس کا تعلق تھا کیا انھوں نے اسے نہیں سمجھایا؟

عبدالرحیم سب نے بہت کوشش کی مگر اس کے مقدر میں شاید ہدایت زیادہ دیر نہیں تھی۔ اس نے پردہ و حجاب اتار کر وہی پہلے والی روش اختیار کر لی۔ دراصل بہت سے سال آوارگی اور پریشانی میں گزارنے کی وجہ سے وہ کچھ ذہنی مریضہ یعنی ڈپریشن (Depression) کا شکار ہو چکی ہے۔ میں تو اس کے لیے ابھی بھی دعا کرتا ہوں کہ اللہ اسے ہدایت دے۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ اتنے بڑے اقدام کے باوجود وہ مجھ سے طلاق کا مطالبہ کرتی رہی ہے۔ بہرحال میں اب اسے طلاق دے چکا ہوں۔

ضیائے حدیث تو اب آپ کی زندگی کیسی گزر رہی ہے؟

عبدالرحیم میں اللہ کا بہت شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے ہدایت پر قائم رکھا ہے اور اس کا یہ بھی فضل ہے کہ اس نے مجھے گرین لین مسجد کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ جب امینہ مجھے چھوڑ گئی تو میں نے مسجد والوں سے اس کا ذکر اور اس بات کا اظہار کیا کہ میرے لیے علیحدہ ایک گھر میں رہنا بے فائدہ اور بے معنی ہے، لہٰذا میرے ساتھ تعاون کیا جائے کہ میں کسی ایسی مناسب جگہ پر رہائش اختیار کر لوں جس کے اخراجات میرے لیے قابل برداشت ہوں اور وہاں تنہائی بھی نہ ہو۔ چنانچہ مسجد کے ساتھ متصل کمروں میں سے ایک کمرہ مجھے دے دیا گیا جہاں میں

اب رہائش پذیر ہوں۔ مجھے اس مسجد سے بہت پیار ہے کیونکہ میں نے یہاں کلمہ پڑھا، یہیں میرا نکاح ہوا اور اب میں یہیں رہائش پذیر ہوں، باجماعت نمازیں مسجد میں ادا کرتا ہوں، دروس و خطبات سن کر بہت کچھ سیکھتا ہوں۔ مشکل حالات میں اس مسجد نے میرا بہت ساتھ دیا ہے۔

ضیائے حدیث اب مسجد میں رہائش سے آپ خوش ہیں؟

عبدالرحیم میں بہت خوش ہوں مگر بسا اوقات ذہنی تناؤ کا شکار ہوجاتا ہوں۔ اور اس حالت میں خود ہی اپنے جسم اور بالخصوص چہرے کو خراشنا شروع کردیتا ہوں جس کی وجہ سے داڑھی میں زخم ہوجاتے ہیں اور پھر اسے صاف کرنا پڑتا ہے جبکہ میرا جی چاہتا ہے کہ میری داڑھی لمبی ہوتا کہ میں مکمل مسلمان نظر آؤں۔ میں اسی لیے شلوار قمیض یا ثوب (عربی کرتہ) ہی پہنتا ہوں اور اب تو مجھے انگلش لباس یعنی پینٹ شرٹ پہننا اچھا ہی نہیں لگتا۔ مجھے اللہ کی رحمت کی امید ہے کہ ایک نہ ایک دن میری یہ تکلیف دور ہوگی اور میں لمبی داڑھی رکھ لوں گا کیونکہ مجھے وہ حدیث ہمیشہ یاد رہتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے داڑھی مونڈھے شخص سے اپنا چہرۂ مبارک پھیرلیا تھا اور اس سے ہم کلام ہونا گوارہ نہیں کیا تھا۔

ضیائے حدیث آپ نے Peace T.V کی وساطت سے اسلام قبول کیا، کیا اب بھی اسے شوق سے دیکھتے ہیں؟ اور دین سیکھنے کے دیگر کون کون سے ذرائع استعمال کرتے ہیں؟

عبدالرحیم میں Peace T.V ابھی بھی شوق سے دیکھتا ہوں، اسی طرح (Huda) ھُدٰی ٹی وی پر بھی اچھے علمی پروگرام دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ اس کے علاوہ میں دینی کتب کا مطالعہ شوق سے کرتا ہوں۔

ضیائے حدیث آج کل کس کتاب کا مطالعہ کررہے ہیں؟

عبدالرحیم کچھ روز پہلے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سیرت پر مشتمل ایک کتاب خرید کر لایا تھا آج کل اس کا مطالعہ کررہا ہوں۔ دراصل جب سے اسلام قبول کیا ہے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بارے میں بہت کچھ سننے کو ملا جس کی وجہ سے پڑھنے کا شوق پیدا ہوا۔

ضیائے حدیث اسلام قبول کرنے کے بعد آپ کے لیے سب سے مشکل مرحلہ کیا تھا؟

عبدالرحیم جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ میں ابتدائے عمر ہی سے موسیقی کا دلدادہ تھا، اسلام قبول کرنے کے بعد میرے لیے سب سے مشکل کام موسیقی اور گانے بجانے کو ترک کرنا تھا، مگر جب مجھے اس کی ممانعت کا پتہ چلا میں نے خود کو اس سے دور کرنا شروع کردیا اور اب تو حالت یہ ہے کہ کسی ایسے نام نہاد مسلمان ٹی وی چینل کو دیکھنے کو بھی دل نہیں چاہتا جس پر میوزک چلتا ہے۔

ضیائے حدیث آپ نے اپنا نیا نام ''عبدالرحیم'' کیوں منتخب کیا؟

عبدالرحیم قبولِ اسلام کے بعد میں ایک بھائی کے پاس ناموں والی ایک کتاب دیکھ رہا تھا وہ مجھے مختلف ناموں کے مشورے دے رہا تھا مگر جب اس نے ''عبدالرحیم'' کہا تو میں نے فوراً کہا کہ مجھے یہی نام پسند ہے۔ شاید اس لیے کہ اللہ نے جب اپنی خاص رحمت سے مجھے ہدایت نصیب فرمائی تھی اور میرے دل میں وہی شکر کے جذبات موجزن تھے، اس لیے میں نے جھٹ سے اس نام کو تجویز کرلیا۔ اب تو میں نے اپنے تمام قانونی کاغذات میں بھی یہی نام لکھوالیا ہے۔

ضیائے حدیث آپ اسلام سے محروم یا دین سے دور لوگوں کو کیا پیغام دینا چاہیں گے؟

عبدالرحیم میں مسلم اور غیر مسلم سب کو ایک ہی پیغام دینا چاہوں گا اور وہ یہ کہ قرآن اور حدیث کا مطالعہ خود کریں۔ دوسروں کی تقلید کی بجائے اپنی عقل و دانش کو استعمال کریں۔ میں نے اسلام قبول کرنے کے بعد بعض صوفی حضرات کی ذکر وغیرہ کی مجالس کی ویڈیوز انٹرنیٹ پر دیکھی ہیں۔ اگر میں اسلام سے قبل ان کو دیکھ لیتا تو شاید اسے قبول کرنے کے بجائے مزید دور ہوجاتا کیونکہ یہ سب کام تو ہندو لوگ کرتے ہیں جو آج کل صوفیاء میں رائج ہیں۔ میں تو بس یہ کہتا ہوں کہ اگر میرے جیسا کم علم اور سیدھا سادھا آدمی قرآن و سنت کو بآسانی سمجھ سکتا ہے تو دوسرے کیوں نہیں؟ یہ بالکل صاف شفاف اور آسانی سے سمجھ آنے والا دین ہے جس میں کوئی کمی یا پیچیدگی نہیں ہے۔ اللہ ہمیں ہدایت پر قائم رکھے۔ آمین

دیں گے۔ان شاء اللہ!

خون دل دے کے نکھاریں گے رخ برگ گلاب ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

پاکستان میں امن وامان کی تازہ صورتحال.....حکومت، عوام اور فوج کا شاندار کردار

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔اس میں سب سے پہلے امن کی دعا کی۔قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا آمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُم بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ﴾ ''اور جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اے پروردگار! تو اس جگہ کو امن والا شہر بنا اور یہاں کے باشندوں کو جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہوں پھلوں کی روزیاں دے۔''(البقرة 126:2) امن کی اہمیت کے حوالے سے ایک حدیث شریف ہے: «مَنْ اَصْبَحَ مِنْكُمْ مُعَافًى فِي جَسَدِهِ آمِنًا فِي سِرْبِهِ، عِنْدَهُ قُوتُ يَوْمِهِ، فَكَأَنَّمَا حِيزَتْ لَهُ الدُّنْيَا» ''جس شخص نے اپنے اہل وعیال کے درمیان امن وامان کی حالت میں صبح کی، وہ جسمانی لحاظ سے تندرست تھا اور اس دن کا سامان گزر بسر بھی اسے میسر تھا تو وہ ایسے ہے جیسے ساری دنیا اسے سمیٹ کر دے دی گئی۔''(جامع الترمذي: 2346)

امن اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی نعمت ہے جس کا کوئی نعم البدل نہیں۔امن وامان کے بغیر کسی بھی معاشرے کی ترقی ناممکن ہے۔جن ملکوں میں امن ہے وہاں کے باشندے بہت ہی پرسکون انداز میں زندگی گزار رہے ہیں۔جن میں مملکت سعودی عرب سرفہرست ہے۔پاکستان میں حکومت وقت کی سنجیدہ کوششیں، عوام کا بھرپور ساتھ اور تعاون اور پاک فوج کی جرأت و بہادری نے امید پیدا کردی ہے کہ عنقریب پاکستان میں امن کا سورج ضرور طلوع ہوگا اور اہل پاکستان بھی اپنی عبادات کی بجاآوری اور رزق حلال امن وامان سے کما سکیں گے۔ان شاء اللہ۔ہم حکومت وقت، پاک فوج اور پاکستانی عوام کی زبردست قربانیوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔آخر میں ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پاکستان کو اسلام اور امن وامان کا گہوارہ بنائے۔آمین!

حرم شریف میں سانحہ!

پچھلے دنوں حرم مکی میں کرین گرنے سے 100 سے اوپر حجاج کرام شہید اور 300 سے زائد زخمی ہوئے۔انا للّٰہ وانا الیہ راجعون. یقیناً یہ ایک بڑا سانحہ تھا۔جس سے ہر دردمند پریشان ہوا۔مگر اس موقع پر بھی متعصّبانہ ذہنیت نے اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔شہداء کے لواحقین سے ہمدردی اور تعاون اور زخمیوں کی دیکھ بھال کی بجائے توجہ اس طرف کردی گئی کہ حرم میں ایسا کیونکر ہوسکتا ہے اور پھر اسے عذاب الٰہی سے تعبیر کرنے لگے۔

یہ بات تو درست ہے کہ سانحات اور آفات آزمائش بھی ہوتے ہیں اور عذاب بھی مگر ان دونوں میں فرق کرنا انسان کے بس میں نہیں۔کیونکہ ایسا کہنے والوں کے پاس خود بھی کسی ممکنہ عذاب یا آفت سے بچنے کی کوئی گارنٹی نہیں۔

سعودی حکومت نے اس حوالے سے ایک ایک شہید کے لواحقین کے لیے 10، 10 لاکھ سعودی ریال کا اعلان کرکے، اور زخمیوں کی مدد اور دیکھ بھال اور انتظام وانصرام کرکے اسلامی اخوت کا بہترین مظاہرہ کیا ہے۔اور متعلقہ کمپنی پر تاحال پابندی لگائی ہے۔اور کڑا احتساب کیا ہے اور تحقیقات کا دائرہ پھیلایا ہے۔ہمیں چاہیے کہ ہم کسی بھی مرحلے میں دشمن کی مکاریوں اور چالبازیوں سے بچ کر امت کے وجود کو سپورٹ کریں۔اور کسی صورت دشمن کو خوشی مہیا نہ کریں۔



کیا ہم جنت کے راہی ہیں؟

عبدالمالک مجاہد

گزشتہ ماہ میں میرے جاننے والے احباب کے ہاں تھوڑے تھوڑے وقفے سے دو فوتیدگیاں ہوگئیں۔

ایک تو ہمارے رشتہ داروں میں محترم مولانا منظور احمد صاحب تھے جو قصیم بریدہ میں اپنے بیٹوں ضیاء الرحمٰن اور عزیر احمد کے پاس وزٹ ویزا پر پاکستان سے آئے ہوئے تھے۔ اجل انھیں یہاں لے کر آ گئی۔ دل کی بیماری میں مبتلا ہوئے۔ ہسپتال میں کم وبیش ایک ماہ گزارا اور گزشتہ ہفتے اس دار فانی سے کوچ فرما گئے۔ إنا لِلّٰه وإنا إليه راجعون. مرحوم بھلے آدمی تھے، نہ کبھی کسی سے لڑائی نہ جھگڑا، نہ عناد نہ دشمنی، خاموشی اور سادگی سے ساری زندگی گزار دی۔ عمر خاصی ہو چکی تھی، پہلے عمرہ کیا، پھر مدینہ طیبہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ میں اپنے دیگر احباب کے ساتھ ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنے کے لیے قصیم گیا۔ اپنے ہاتھوں سے اس نیک طینت مسافر کو سپرد خاک کیا اوران کے جسد خاکی پر مٹی ڈالنے والوں میں شریک ہوا۔ اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث ہے کہ کثرت کے ساتھ لذتوں کو توڑنے والی موت کو یاد کیا کرو۔ بلاشبہ موت ایسی حقیقت ہے جس سے کسی کو مفر نہیں۔ میت کو قبر میں اپنے ہاتھوں دفن کرنے سے انسان کا خود بخود تزکیہ ہو جاتا ہے۔

گزشتہ روز ہمارے بڑے ہی پیارے دوست جناب محمد اشرف صاحب کی اہلیہ محترمہ بھی کینسر کے موذی مرض میں تین سال تک مبتلا رہنے کے بعد اپنے رب کے پاس چلی گئیں۔ یہ خاتون بلاشبہ بڑی ہی پارسا اور نیک طینت تھیں۔ کتاب و سنت کی پابند، مسلک اہلحدیث کی شیدائی۔ ام ثوبان نے اپنے بچوں کی پرورش بڑے عمدہ انداز میں کی۔ ثوبان کو حافظ قرآن بنایا۔ خود خواتین کے حلقے میں بڑا کام کیا۔ کتنے ہی گھرانوں کو شرک و بدعت کی آلودگیوں سے بچانے میں کامیاب رہیں، عورتوں کو خوب تبلیغ کی۔ مگر مشیت ایزدی کو کچھ اور ہی منظور ہوتا ہے۔ قریبا تین سال پہلے موذی مرض کینسر میں مبتلا ہوئیں۔ انھوں نے ڈٹ کر بیماری کا مقابلہ کیا۔ بڑی صابرہ، شاکرہ، مؤمنہ خاتون تھیں۔ نہ تقدیر کا گلہ نہ کسی انسان سے شکوہ، اور پھر 25 اگست 2015ء کی صبح سویرے بہت خاموشی سے اپنے رب کے پاس چلی گئیں۔ جنازہ جامع مسجد خالد ام حمام میں ہوا۔ ہزاروں لوگ جنازے میں شریک ہوئے۔ ہم نے بھی جنازے کو کندھا دیا۔ ان کے خاوند، بیٹے اور داماد نے اس عظیم خاتون کو لحد میں اتارا۔ قبر پر احباب نے آگے بڑھ بڑھ کر مٹی ڈالی۔ قبر کو ہموار کیا گیا، اوپر چھوٹے چھوٹے کنکر ڈالے گئے۔ پانی کی دو بالٹیاں بہائی گئیں اور پھر آواز آئی: مرحومہ کی ثابت قدمی



کے لیے دعا کریں۔ اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث ہے کہ جب میت کو قبر میں رکھا جائے تو بِسْمِ اللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ پڑھ کر لحد میں اتاریں۔ میت کا منہ قبلہ کی طرف کر دیں۔ جب قبر پر مٹی ڈال لیں تو پھر میت کی ثابت قدمی کے لیے دعا کریں۔ اس لیے کہ اب اس سے سوال ہو رہا ہے۔ ہم نے اپنے ہاتھ بارگاہ الٰہی میں اٹھا دیے۔ اللہ! یہ تیری بندی ہمارے علم کے مطابق بڑی نیک اور پرہیزگار خاتون تھی۔ عقیدۂ توحید پر زندگی گزارنے والی تھی۔ اللَّهُمَّ ثَبِّتْهَا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ اللہ اب منکر ونکیر اس سے سوال کر رہے ہیں۔ بڑا مشکل وقت اور بڑی مشکل گھڑی ہے۔ یا اللہ! تو نے ہی اسے ثابت قدم رکھنا ہے اور اسے صحیح جواب دینے کی توفیق بھی تیری ہی طرف سے ملے گی۔ اللہ! اپنی اس بندی کی قبر کو وسعت عطا فرما۔ جنازہ پڑھ کر ہم لوگ واپس ہوئے تو قبرستان کے بڑے دروازے کے قریب بہت بڑا بورڈ نظر آیا جس پر موٹے حروف میں اللہ کے رسول ﷺ کی بڑی پیاری حدیث لکھی ہوئی تھی۔ یہ حدیث ہم نے بے شمار مرتبہ پہلے بھی پڑھی اور لکھی۔ بارہا اس کے معانی اور مطالب سمجھنے کی کوشش بھی کی۔ ساتھیو! قبرستان، شہر خموشاں میں بڑے بڑے موٹے الفاظ میں اس حدیث کو لکھنے والے کو میں نے بہت دعائیں دیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اس مقام پر یہ حدیث پڑھنے کا اتفاق ہوا تو اس نے میرے ذہن، میری سوچ کے دھارے کو بدل کر رکھ دیا۔

معزز قارئین کرام! آیئے اس حدیث کو پڑھتے اور اس پر غور وفکر کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ» ''جب ابن آدم وفات پا جاتا ہے'' «انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ» ''تو اس کے نیک اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔'' میں نے مڑ کر قبرستان کی طرف دیکھا: چند ماہ پہلے بھے اس شہر خموشاں میں اپنے ایک عزیز کو دفن کرنے کے لیے آیا تھا۔ اس کے بعد اب تک سیکڑوں قبروں کا اضافہ ہو چکا تھا۔ میں نے سوچا یہ لوگ بھی میری طرح جیتے جاگتے تھے، چلتے پھرتے تھے۔ ان میں بعض بڑے با اثر لوگ بھی تھے۔ بڑے پڑھے لکھے، تاجر، بزنس مین، حکومتی عہدوں پر براجمان، بڑے بڑے عالم فاضل، مالدار لوگ تھے۔ بلاشبہ ان میں ان پڑھ اور فقیر لوگ بھی تھے۔ مگر قبریں تو سب کے لیے ایک جیسی ہیں۔ سعودی حکومت کو اللہ جزائے خیر عطا فرمائے۔ سعودی عرب میں میت کے لواحقین کا کفن دفن پر کچھ خرچہ نہیں ہوتا۔ تمام اخراجات حکومت ادا کرتی ہے، یا یہاں کے اصحاب خیر خرچ کرتے ہیں۔ قبریں پہلے سے تیار کھدی ہوتی ہیں۔ جنازے آتے ہیں تو قطار میں کھدی ہوئی قبروں میں باری کے مطابق کسی بھی قبر میں میت کو دفنا دیا جاتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ ساتھ والی قبر ایک فلسطینی کی تھی۔ وہ لوگ قبر کو درست کر رہے تھے۔

موت کے ساتھ ہی انسان کا تعلق دنیا سے منقطع ہو جاتا ہے۔ وہ تار وہ رسی جو اسے دنیا کے ساتھ جوڑتی تھی، اب کٹ چکی ہے۔ میں کتنا مصروف رہتا ہوں، میں نے سوچا۔ ہر وقت ملنے والے، چاہنے والے، دفتر، گھر، بیوی، بچے، بازار، کاروبار، دوست احباب، میٹنگیں، پروگرام..... اُف! اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کتنی چاشنی رکھی ہے اور پھر سب کو چھوڑ کر قبر میں دفن ہونا، کتنا مشکل کام ہے!! کسی کا بھی مرنے کو جی نہیں چاہتا، مگر کوئی چاہے نہ چاہے موت تو ہر جاندار کے مقدر میں ہے۔ ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ ''ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہی چکھنا ہے۔'' اسے بہر حال وبہر قیمت وفات پانی ہے۔ یہ قبر جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے، یا پھر جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

شہر خموشاں، جس میں ہو کا عالم طاری رہتا ہے۔ رات کے وقت وہاں جانے کو جی نہیں چاہتا۔ ایک انجانا سا خوف ہوتا ہے۔ حدیث کے مطابق جب میت قبرستان میں لائی جاتی ہے تو اس کے ساتھ تین چیزیں آتی ہیں۔ ان میں سے دو قبرستان سے واپس چلی جاتی ہیں اور میت کے ساتھ محض ایک چیز باقی رہ جاتی ہے۔ جنازے کے ساتھ اس کے اہل وعیال، اولاد، رشتہ دار، دوست احباب، بہی خواہ، جاننے والے سبھی آتے ہیں۔ اس کا مال بھی ساتھ ہوتا ہے۔ اس کے ادارے کے ملازمین، اس کی گاڑیاں، اس کے مال کا کچھ نہ کچھ حصہ قبرستان میں بھی آتا ہے۔ عربوں کی عادت تھی کہ فوت شدہ کے گھوڑے اور جانور بھی قبرستان تک ساتھ لائے جاتے تھے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ اب بھی بڑے لوگوں کے جنازے رتھ

پر رکھ کر لائے جاتے ہیں۔ فوجی دستے انھیں سلامی پیش کرتے ہیں۔ بڑے شان و شوکت اور فوجی بینڈ وغیرہ کے ساتھ انھیں قبرستان لایا جاتا ہے۔ مال و دولت اور رشتہ دار واپس آ جاتے ہیں۔ تیسری چیز جو میت کے ساتھ رہتی ہے، وہ اس کے اعمال ہیں۔ فوت ہونے والے نے جو اچھے یا برے اعمال کیے ہوتے ہیں، وہ قبر میں میت کے ساتھ ہی جاتے ہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے: قبر میں میت کے پاس ایک بڑی خوبصورت شخصیت، روشن چہرے اور قیمتی لباس والی، جس سے بڑی عمدہ خوشبو آ رہی ہوتی ہے، آتی ہے۔ وہ کہتی ہے: «أَبْشِرْ بِالَّذِي يَسُرُّكَ، ''خوش ہو جاؤ! تمھارے لیے خوش خبری ہے'' «فَيَقُولُ: مَنْ أَنْتَ ، فَيَقُولُ: أَنَا عَمَلُكَ الصَّالِحُ» ''مرنے ولا پوچھتا ہے: تم کون ہو؟ وہ کہتا ہے: میں تمھارا نیک عمل ہوں۔'' حدیث پاک میں آتا ہے کہ فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں: «مَنْ رَبُّكَ؟» ''تیرا رب کون ہے ؟'' مسلمان مؤمن اس کے جواب میں کہتا ہے: «رَبِّيَ اللَّهُ» ''میرا رب اللہ ہے۔'' دوسرا سوال ہوتا ہے: «مَا دِينُكَ؟» ''تمھارا دین کونسا ہے؟'' وہ جواب میں کہتا ہے: «دِينِيَ الإِسْلَامُ» ''میرا دین اسلام ہے۔'' اب منکر ونکیر کی جانب سے تیسرا سوال ہوتا ہے: «مَنْ نَبِيُّكَ؟» ''تمھارا نبی کون ہے؟'' تو وہ اس کے جواب میں کہتا ہے: ''میرے نبی محمد ﷺ ہیں۔'' فرشتہ یہ جواب سننے کے بعد کہتا ہے: تم نے سچ کہا۔ پھر فرشتہ اسے اللہ کی طرف سے عزت اور مہمان نوازی کی خوشخبری سناتا ہے۔ اس کے لیے جنت اور جہنم دونوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ اسے جہنم کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے: یہ تمھارا ٹھکانہ ہونا تھا اگر تم نے اللہ کی نافرمانی کی ہوتی۔ جب مسلمان جنت اور اس کی نعمتوں کو دیکھتا ہے تو پکار اٹھتا ہے: اللہ! جلد از جلد قیامت کو برپا کر دے تاکہ میں جنت کی نعمتیں جلد از جلد حاصل کر سکوں۔

مؤمن کے لیے اس کی قبر کو تا حد نگاہ وسیع کر دیا جاتا ہے اور قیامت تک کے لیے اسے میٹھی اور پیاری نیند سلا دیا جاتا ہے۔

قبرستان میں لکھی حدیث کے اگلے الفاظ یہ ہیں: «إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ: صَدَقَةٌ جَارِيَةٌ، وَعِلْمٌ يُنْتَفَعُ بِهِ، وَوَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُو لَهُ» ''صدقہ جاریہ، نفع بخش علم اور نیک اولاد جو فوت شدہ والدین کے لیے دعا کرے۔''

فوت ہونے کے بعد انسان کا دنیا سے رشتہ ختم ہو جاتا ہے، مگر اس کا جاری رہنے والا عمل اس کا پیچھا کرتا ہے۔ چاہے وہ نیک عمل ہو یا برا عمل ہو۔ آدمی نے مسجد بنوائی ہے۔ خواہ چھوٹی سی مسجد ہی کیوں نہ ہو۔ اپنے وسائل اور حالات کے مطابق ہی آدمی مسجد بنواتا ہے۔ حدیث شریف کے مطابق چاہے اس نے گھونسلے کے برابر ہی مسجد بنوائی ہو، بس اس کی نیت خالصتاً اللہ کی رضا ہو۔ «مَنْ بَنَى لِلَّهِ مَسْجِدًا» ''مسجد صرف اور صرف اللہ کے لیے بنائی ہو'' اس کا اجر و ثواب بہت بڑا ہے۔ «بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ» ''اللہ رب العزت اس کے لیے جنت میں گھر بنا دیتا ہے۔'' ایک شخص ہے وہ تنہا تو مسجد بنانے کی طاقت نہیں رکھتا، لیکن مسجد بن رہی ہے، اس نے اپنی توفیق اور وسعت کے مطابق اپنا حصہ ڈال دیا۔ وہ ہزار روپیہ دے سکتا ہے۔ اس سے بھی کم دے، کوئی حرج نہیں مگر وہ دے ضرور۔ مسجد میں روشنی نہیں، بلب فیوز ہو گئے ہیں۔ بڑی معمولی سی بات ہے، آپ نے مسجد کے ناکارہ بلب تبدیل کر کے نئے لگوا دیے ہیں۔ اس میں ٹیوبیں لگوا دی ہیں۔ مسجد کو روشن کر دیا۔ مسجد میں پانی کا بندوبست نہیں۔ نمازیوں کو وضو کا مسئلہ بنا رہتا ہے۔ آپ نے پہل کر کے مسجد میں موٹر لگوا دی۔ دیکھا جائے تو یہ بڑا معمولی کام نظر آتا ہے، مگر ساتھیو! کسی نیکی کو حقیر مت جانیے۔ مسجد کی دیکھ بھال کرنا، اس کی صفائی ستھرائی میں حصہ لینا بہت زیادہ نیکی کا کام ہے۔ آپ اپنی اولاد کو بھی ایسے کام کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔ مسجد بن گئی ہے۔ آپ نے بھی اپنی توفیق کے مطابق اس میں حصہ ڈال دیا ہے۔ اب یہ مسجد آپ کے لیے بھی صدقہ جاریہ ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ کی وفات ہو چکی ہے۔ آپ کی وفات کے بعد بھی یہ مسجد آباد ہے، لوگ نمازیں پڑھ رہے ہیں۔ یقین جانیے کہ جب تک لوگ نمازیں پڑھتے رہیں گے آپ کو اجر و ثواب ملتا رہے گا۔

دنیا کے مختلف ممالک اور بطور خاص برصغیر میں شہروں اور دیہاتوں میں احباب نے چھوٹے چھوٹے کلینک یا ہسپتال بنوا رکھے ہیں۔ آپ بھی اس کی تأسیس میں شامل ہو گئے۔ ایک شخص تنہا تو اس نوعیت کے بڑے کاموں کو نہیں چلا سکتا۔ یہ امت مسلمہ کے مشترکہ مسائل ہیں۔



آپ نے بھی سوچا اس ہسپتال کو بعض دواؤں کی ضرورت ہے۔ اس کو مشینری کی ضرورت ہے۔ ہسپتال میں ڈاکٹروں کی تنخواہ ادا کرنا ہے۔ لوگ اس میں حصہ لے رہے ہیں۔ آپ نے بھی اپنی حیثیت کے مطابق اس میں حصہ ڈال دیا، یا دوائیں خرید کر دے دیں۔ یاد رکھیے! یہ بھی آپ کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔

میں صاحب حیثیت لوگوں کو ترغیب دینے کے لیے، انھیں نیکی کے کاموں پر آمادہ کرنے کے لیے اور انھیں ایسے کاموں میں شریک کرنے کے لیے ایک مثال دوں گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے ریا کاری سے بچائے، مگر ہوسکتا ہے اس کالم کو پڑھ کر کسی کے دل میں بھلائی کا جذبہ پیدا ہوجائے اور وہ بھی ایک ہسپتال بنوادے۔

میں آج سے کوئی ساٹھ سال پہلے گوجرانوالہ کے ایک چھوٹے سے گاؤں کیلیانوالہ میں پیدا ہوا۔ میں چوتھی جماعت میں پڑھتا تھا کہ والد صاحب حافظ آباد شفٹ ہوگئے۔ کوئی دس گیارہ سال پہلے کی بات ہے کہ میں اپنے چھوٹے بھائی محمد طارق شاہد صاحب کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ گاؤں کے حوالے سے گفتگو ہورہی تھی کہ میری برادری کے بہت سارے لوگ اب بھی وہاں رہتے ہیں۔ میں نے کہا: طارق! ہم نے اپنے گاؤں کو کیا دیا ہے؟ اللہ نے ہمیں وسائل دیے ہیں، لیکن سوچیے کہ ہم نے اپنے گاؤں کے لیے اور اس کے رہنے والوں کے لیے کیا کارنامہ انجام دیا ہے؟ ہم دونوں بھائی سوچنے لگے کہ ہم کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ گاؤں میں متعدد مساجد موجود ہیں، مدرسہ اور سکول بھی ہے۔ سرکاری ڈسپنسری بھی ہے، مگر اس کا انتظام اچھا نہیں۔ چلیے کیوں نہ ہم اپنے گاؤں کو ایک ڈسپنسری گفٹ کریں۔

قارئین کرام! یاد رکھیے، اگر آپ نیکی کا کام کرنا چاہتے ہیں تو اس کے بارے میں بہت زیادہ چھان بین نہ کریں۔ زیادہ قیل وقال سے شیطان داخل ہوجاتا ہے اور پروجیکٹ ختم ہوجاتا ہے۔ نیت کریں، مشورہ کریں، استخارہ کریں اور اگلے چند دنوں میں اس خیر کے کام کو شروع کردیں۔ کون جانتا ہے کہ آپ کب تک زندہ ہیں؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ پروگرام بناتے بناتے زندگی ہی گزر جائے۔

ہم نے ایک بیٹھک کرایے پر لی اور اپنے ایک عزیز کو جس نے ڈسپنسری کے کورسز کر رکھے تھے، انچارج بنایا، لو جی! کام شروع ہوگیا۔ ہم نے مریضوں کو دوائیاں مفت دینا شروع کردیں۔ کسی کو سر درد، بخار، نزلہ، کھانسی ہو یا چوٹ لگ جائے، ایسی معمولی معمولی بیماریوں کا علاج ڈاکٹر محمد عثمان سپرا پہلے بھی کرتا تھا۔ اب ذرا اچھے انداز میں کام شروع ہوگیا۔ کچھ عرصہ گزرا، ہم نے گاؤں کے شروع میں برلب سڑک ڈھائی کنال جگہ خرید لی۔ اللہ نے توفیق دی تو اس پر چار پانچ کمروں پر مشتمل چھوٹی سی ڈسپنسری بنادی گئی۔ پیچھے جو جگہ خالی تھی وہاں سبزیاں اور پھول اُگا دیے گئے۔ مریض آنے شروع ہوگئے۔ کئی سال گزر چکے ہیں۔ ہم صرف دس یا پندرہ روپے پرچی کے لیتے ہیں۔ اس کا عملہ آٹھ دس افراد پر مشتمل ہے۔ اوسطاً تین ہزار سے زائد مریض ہر ماہ آتے ہیں۔ کبھی زیادہ بھی ہوجاتے ہیں۔

میں نے اپنے ایک چچازاد بھائی کو اس کا انچارج بنادیا۔ بندہ ثقہ اور ایماندار ہے۔ اس کے ساتھ مجھے اس سے پہلے بھی محبت تھی، مگر اب اس میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ کم وبیش بیس دیہاتوں سے مریض آتے ہیں۔ ایک ایم بی بی ایس ڈاکٹر صاحب کی بھی پارٹ ٹائم خدمات حاصل کرلی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ غریبوں کی بطور خاص مدد فرماتا ہے۔ انھیں عام دوائیوں سے بھی صحت عطا کر دیتا ہے۔ مریض آتے ہیں تو ان کو خوش آمدید کہا جاتا ہے۔ ان کے ساتھ حسن سلوک پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ میں نے وہاں لائبریری بنوادی۔

میری چھوٹی بیٹی عفراء نے ایک خواب دیکھا۔ کہنے لگی: ابو! میں نے خواب دیکھا کہ میں مسجد بنوا رہی ہوں۔ اب مجھے مسجد بنوانی ہے اور وہاں بنوانی ہے جہاں ابو پیدا ہوئے۔ جو مبلغ میرے پاس ہے وہ میں دوں گی، باقی ابو دیں گے۔ اس لیے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ پہلی اینٹ میں نے رکھی ہے اور دوسری اینٹ ابو نے رکھی ہے۔ لو جی! اس ہسپتال میں نہایت خوبصورت چھوٹی سی مسجد بھی بنوا دی گئی۔ مریض اور ہسپتال کا عملہ اس میں نمازیں ادا کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ پھیلتا چلا گیا، ہم نے تین مزید ہسپتال بھی بنوائے یا ان میں حصہ لیا۔ جو کام بھی لوگوں کی بھلائی کے لیے کیا جاتا ہے، اس میں حصہ لینا بہت خوشگوار تجربہ ہے۔ لوگوں کو خوشی فراہم کرنے کی لذت بڑی عجیب ہے۔ یقین جانیے! یہ عبادت بھی ہے اور صدقہ جاریہ بھی ہے۔



سالِ نو میں علوم اسلامیہ کے لیے آنے والے طلبہ کو خوش آمدید

ابو عمار عمر فاروق سعیدی حفظہ اللہ

رمضان المبارک کے بعد ماہِ شوال میں دینی مدارس و جامعات کی بہاریں عود کر آتی ہیں۔ قدیم طلبہ ایک نئے جوش و جذبے کے ساتھ اپنے اپنے اداروں میں پہنچتے ہیں۔ تو ان کے ساتھ بہت سے نئے سعادت مند بھی اپنی پروازِ علم شروع کرتے ہوئے ان کے ساتھی آ بنتے ہیں۔ ہم انھیں ان کے اس اقدام و انتخاب پر بے انتہا مبارک باد پیش کرتے ہوئے خوش آمدید اور اَهلًا وَّسهلًا وَّمَرْحَبًا کہتے ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر اپنے ان عزیزوں کی حوصلہ افزائی میں کچھ کلمات خیر کہے جائیں، جو یقیناً نئے تو نہیں مگر ان کا اعادہ خود راقم الحروف اور ان عزیزوں کے لیے فائدہ سے خالی نہیں۔

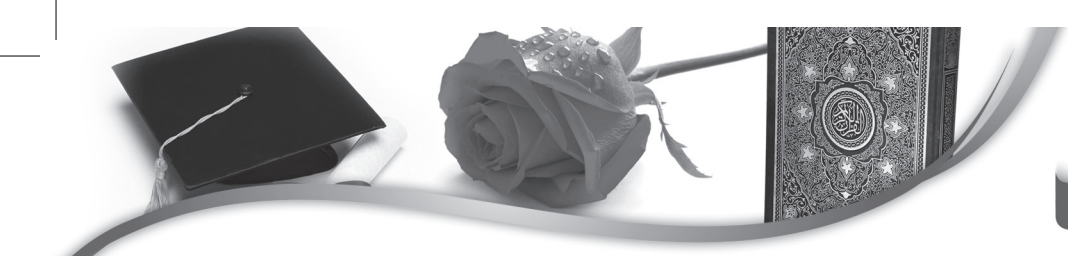
سو آپ کے لیے یہاں پیغمبر اکرم علیہ السلام کا وہ ''فَضلۂ طاہرہ و مطہرہ'' موجود ہے، جو اس جہاں میں کسی نصیبہ ور ہی کے لیے مقدر ہوسکتا ہے۔ میری مراد ہے، خالص کتاب اللہ کی معرفت اور سنت مطہرہ کی تعلیم۔ اس میں اشارہ ہے اس معروف صحیح حدیث کی طرف: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا: «قَالَ: بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِلَبَنٍ فَشَرِبْتُ حَتَّى إِنِّي لَأَرَى الرِّيَّ يَخْرُجُ فِي أَظْفَارِي ثُمَّ أَعْطَيْتُ فَضْلِي عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالُوا! فَمَا أَوَّلْتَهُ يَارَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ: الْعِلْمُ»

''فرماتے تھے کہ اتفاق سے ایک بار میں سویا ہوا تھا کہ مجھے دودھ کا ایک پیالا دیا گیا۔ تو میں نے اس سے پیا، حتیٰ کہ مجھے ایسے لگا کہ سیرابی میرے ناخنوں سے نکل پڑے گی۔ پھر میں نے اپنا بقیہ عمر بن خطاب کو دے دیا۔ صحابہ نے دریافت کیا: تو آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی ہے؟ فرمایا: ''علم۔'' (صحيح البخاري: 82)

فتح الباری میں ہے کہ علامہ ابن المنیر فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں معارف الٰہیہ اور علوم نبوت کی فضیلت اس پہلو سے ہے کہ یہ سب معنوی اعتبار سے پیغمبر اکرم علیہ السلام کے اس مشروب مطہر کا بقیہ ہے جو آپ کو اللہ نے عنایت فرمایا، اور اب ہمیں بھی مل رہا ہے۔

آپ اللہ عزوجل کا عظیم انتخاب ہیں

سب سے پہلے تو یہ بات کہ جہاں دنیا کی شیرینی و شادابی اور اس کی رونقیں اپنی انتہا پر ہیں، اور ہر قلب و نظر کو خیرہ کیے دے رہی ہیں، آپ کی بھی اٹھتی جوانیاں ہیں، اور آنے والے دنوں میں بلند پروازی کے لیے سو طرح کے خیالات آپ کے اذہان میں مچلتے ہوں گے۔ وہاں آپ نے مسجد و مدرسہ یا دینی جامعہ میں داخلے کا قدم اٹھایا ہے تو یہ یقیناً آپ کے لیے اللہ عزوجل کا الہام اور خاص انعام ہے۔ آپ کے والدین کو بھی آپ کی اس نوعمری میں آپ کی ضرورت ہوگی کہ آپ ان کے دست و بازو بنتے، مگر انھوں نے تمھیں اس وادی میں بھیج دیا ہے۔ جو مادی اعتبار سے بظاہر ﴿غَيرَ ذِي



زَرْعٍ﴾ ہے۔ مگر انھوں نے بہت کچھ سوچ سمجھ اور دیکھ بھال کر یہ قربانی دی ہے، کہ آپ آنے والے دنوں میں اپنے لیے، اپنے ماں باپ کے لیے اور اپنی ملت کے لیے دین و دنیا اور آخرت کا سرمایہ بنیں۔

آپ ان شاء اللہ اس نعمت عظمیٰ و عالی شان کے لیے اللہ رب العلمین کا انتخاب ہیں۔ اس نے آپ کو ایک بڑی خیر کے لیے چن لیا ہے۔ ایسی خیر اور شان و رفعت جو کہیں اور نہیں ہوسکتی۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ﴾ ''اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی طرف چن لیتا ہے، اور جو بھی اس کی طرف رجوع کرے وہ اس کی صحیح صحیح رہنمائی فرماتا ہے۔''

(الشوریٰ 13:42)

﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ﴾ ''اور آپ کا رب ہی جو چاہتا ہے پیدا کرتا اور (جسے چاہتا ہے) منتخب فرمالیتا ہے، (اس کے علاوہ) ان میں سے کسی کو کچھ اختیار نہیں۔'' (القصص 68:38)

﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ ''اللہ جسے چاہتا ہے حکمت و دانائی عطا فرمادیتا ہے۔ اور جسے حکمت و دانائی ملی اسے بہت بڑی خیر اور بھلائی ملی۔'' (البقرۃ 369:2)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «مَنْ يُّرِدِاللّٰهُ بِهٖ خَيراً يُفَقِّهْهُ فِي الدِّين» ''اللہ تعالیٰ جس شخص کے بارے میں خیر اور بھلائی کا ارادہ فرمالے، اسے اپنے دین کی سمجھ عنایت فرما دیتا ہے۔'' (صحيح البخاري: 71) یقین کیجیے اس کرۂ ارض پر انسانی طبقات میں سے سب سے بڑھ کر افضل و اعلیٰ یہی لوگ ہیں جن کی صحبت و رفاقت اختیار کرنے کا آپ نے عزم کیا ہے۔ بشرطیکہ یہ ایمان و تقویٰ اور اخلاص سے مزین ہوں۔

﴿هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ ''کیا بھلا جو جاننے والے عالم ہیں اور جو نہیں جانتے (اور جاہل ہیں) برابر ہوسکتے ہیں؟'' (الزمر 9:39)

﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ﴾ ''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جن کو علم ملا ہے، اللہ ان کے درجات بلند فرمائے گا۔'' (المجادلة 11:58)

اور یہ انعام یقیناً صرف منتخب اور چنیدہ لوگوں ہی کے لیے ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ ''اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں، ہم انھیں اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔''

(العنکبوت 69:2)

حصول علم یقیناً جہاد کی راہ ہے جو ایک اعتبار سے بڑی کٹھن، مشکل اور طویل بھی ہے۔ اس پر چلنا دل گردے والوں ہی کا کام ہے۔ لیکن اگر کوئی صبر و استقلال کے ساتھ اس پر گامزن ہوجائے، اخلاص اور نیک نیتی بندے کی زادِ راہ ہو تو ''اللہ اپنے نیکوکار بندوں کے ساتھ ہوتا ہے'' اور پیش آمدہ مشکلات سے نکلنے کی راہیں بھی وہ خود سمجھاتا اور منزل مقصود تک پہنچاتا بھی ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے بقول یہ آیۃ کریمہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے بعد قیامت تک آنے والے سب سالکین کے لیے ایک عظیم اعزاز ہے۔ اور امام ذہبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ: «اَلْعِلْمُ.....نُورٌ يَقْذِفُهُ اللّٰهُ فِي الْقَلْبِ» ''علم تو اللہ کا ایک نور ہے جو وہ کسی دل میں ڈال دیتا ہے۔'' (سیر اعلام النبلاء: 323/13)

قسمت نوعِ بشر تبدیل ہوتی ہے یہاں

یہاں اس جامعہ میں آپ کے لیے ایک نئی دنیا کا دروازہ وا ہوتا ہے۔ رب کائنات نے یہ دنیا بڑے عجیب و غریب علوم و معارف اور خزائن و دفائن سے مالا مال بنائی ہے۔ یہاں آپ کو ان نئے نئے حقائق و معارف سے آگاہ کیا جائے گا جو دوسرے بہت سے لوگوں سے پوشیدہ ہیں اور وہ ان سے جاہل ہیں۔ آپ لوگ ہی ندائے آسمانی کے فی الواقع مخاطب ہیں۔ پیغمبر علیہ السلام سے سب سے پہلی وحی میں کہا گیا: ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ o خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ o اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ o الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ o عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ ''پڑھیے اپنے پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھیے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا، اور انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔''

(العلق 96:1-5)



اس میں ''علم الانسان'' ہے۔ ''علم الحیوان'' نہیں۔ اگر کوئی اور مخلوق اس اعزاز سے مشرف ہوسکتی ہوتی تو انھیں بھی اس کا اعزاز دیا جاتا۔ حیوان اور انسان میں یہی ایک بڑا عظیم اور نمایاں فرق ہے۔ اگر یہ لوگ پڑھنے لکھنے سے مشرف نہیں ہوتے تو حیوانات اور حیوان ناطق میں کوئی خاص فرق نہیں رہ جاتا۔ دیگر مخلوقات میں ''مالم یعلم'' حاصل کرنے کی صلاحیات انتہائی محدود ہیں۔ بلکہ وہ جبلی و فطری علم سے آگے بڑھ نہیں سکتے۔ اور اپنی ان ہی صلاحیات کے گرد گھوم گھام کر اپنی زندگی ختم کر لیتے ہیں، مگر یہ انسان ہی ہے جو اول روز سے آخر تک ''مالم یعلم'' (غیر معلوم حقائق) کی ٹوہ میں رہتا اور ''الانسان'' کی معراج پا سکتا ہے۔

مالم یعلم .....اور نامعلوم حقائق ایک ناپیدا کنار سمندر ہے۔ اگر انسان نامعلوم حقائق کی ٹوہ کرے جو خالق کے پسندیدہ اور مرغوب و مطلوب ہیں تو یہی چیز ''الانسان'' کی حقیقی معراج ہے۔

طلبہ وعلمائے دین کے لیے رسول اللہ ﷺ کی دعا

طلبہ علومِ شرعیہ کی جماعت وہ مبارک اور سعادت مند جماعت ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے ایک نادر دعا دی ہے، جو آپ علیہ السلام کے ساتھ نسبت و تعلق رکھنے والوں میں سے کسی اور کے حصے میں نہیں آئی ہے۔ اور وہ اپنے پہلے دن سے لے کر آج تک بلکہ قیامت تک اپنا اثر دکھاتی رہے گی۔ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس بندے کو تروتازہ اور خوش وخرم رکھے جس نے میری بات سنی، پھر اسے یاد کیا، محفوظ رکھا اور پھر آگے پہنچایا.....'' (سنن أبي داود: 3660، و جامع الترمذي: 2658)

پیغمبر علیہ السلام کی اس دعا ہی کا اثر اور نتیجہ ہے کہ قرآن و حدیث اور علوم اسلامیہ کے طلبہ و اساتذہ باوجود ناکافی سہولتوں کے اپنے چہروں کے اعتبار سے انتہائی تروتازہ، جسمانی لحاظ سے بھرپور توانا اور ان شاء اللہ ان کے قلوب و اذہان بھی سب سے بڑھ کر مسرور و مطمئن ہوتے ہیں۔ ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ ''خبردار! اللہ کے ذکر ہی سے دل اطمینان پاتے ہیں۔'' (الرعد 28:13)

امام ابن عُیینہ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: «مَامِنْ أَحَدٍ يَطْلُبُ الْحَدِيثَ اِلَّا وَفِي وَجْهِهِ نَضْرَةٌ» ''جو بھی کوئی حدیث نبوی کا طالب علم ہوگا اس کے چہرے پر تروتازگی اور شادابی ہوگی۔'' (شرف اصحاب الحدیث، ص: 27)

علم دین ہی محبوب ترین مشغلہ ہے

عزیزان! یہ کام اور مشغلہ دنیا جہان کے سب کاموں میں سب سے بڑھ کر قابل قدر، عزیز ترین اور محترم مشغلہ ہے۔ فرمایا: ''دنیا اور جو اس میں ہے کچھ بھی دل لگانے کے لائق نہیں سوائے اللہ کے ذکر کے، اور جو اس سے محبت کرے، اور جو کوئی صاحب علم ہو یا طالب علم! یعنی علم پڑھنے پڑھانے والے اور ان کے معاونین، اس دنیا میں ایسے منفرد ہیں کہ یہی دل لگانے اور محبت کیے جانے کے لائق ہیں۔''

(جامع الترمذي: 2322)

تعلم فليس المرء يولد عالما
وليس أخوالعلم كمن هو جاهل
وإن كبير القوم لا علم عنده
صغير إذا التفت عليه المحافل

''علم حاصل کرو، کوئی شخص ماں کے پیٹ سے عالم پیدا نہیں ہوتا۔ عالم اور جاہل برابر نہیں ہوا کرتے۔ اگر کسی قوم کا بڑا علم سے خالی (اور جاہل ہو) تو جب اس کے گرد مجلس جمی ہو تو وہ حقیر ہی شمار ہوتا ہے۔''

علم ہمیشہ قلب و روح کی غذا اور محبّ اور محبوب کے لیے وجہ نشاط ہوتا ہے۔ اور ازل سے روحانی لذت اور خوشی کو جسمانی راحت اور خوشی پر فضیلت حاصل ہے۔ اور یہ نعمت اسے ہی مل سکتی ہے جو اس کے لیے محنت اور مشقت برداشت کرے۔

لا يعرف الشوق الا من يكابدهٗ
ولا الصيابة الا من يدانيها

''عشق وشوق کی حقیقت کو وہ کیا جانے جس نے اس راہ کی کوئی مشقت ہی نہیں اٹھائی۔ اسے تو وہی سمجھ سکتا ہے جو لذت وصال سے آشنا ہو چکا ہو۔'' (اقتباس از: الحطه فی ذکر الصحاح السته)

موت کے بعد بھی اجروثواب

یہ مشغلہ علم دین ایسا بابرکت عمل ہے کہ اس کا اجروثواب آدمی کو اس دنیا ہی میں نہیں بلکہ موت کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔ فرمایا: ''مومن کے وہ اعمال وحسنات جن کا اجروثواب آدمی کو اس کی موت کے بعد بھی ملتا رہتا ہے، ان میں



سے ایک علم بھی ہے جو اس نے حاصل کیا اور پھر اس کی اشاعت کی ہو۔'' (سنن ابن ماجه: 242)

اور جو انسان اپنی آخرت کی فکر میں رہے اور دنیا کے مشاغل کے لیے زیادہ وقت نہ نکال سکے تو اللہ تعالیٰ اس کے دنیا کے ہموم و افکار کی خود ہی کفالت و کفایت فرماتا ہے۔ اور علوم اسلامیہ اور دعوتِ دین کے اعمال میں مشغول اساتذہ، طلبہ اور خطباء وائمہ اور ان کے معاونین سب ہی ان شاء اللہ اس خوشخبری کے مستحق بنتے ہیں، فرمایا: ''جس شخص نے اپنے تمام افکار کو ایک ہی فکر میں جمع کرلیا یعنی آخرت کے بارے میں فکرمند رہا تو اللہ تعالیٰ اس کے دنیا کے افکار کی خود ہی کفایت فرمانے لگتا ہے۔''

(سنن ابن ماجه: 257)

اپنے عزم ونیت کو للہ خالص بنائیں

اس لیے عزیزانِ گرامی! اپنی اس نیت اور عزم وارادہ کو حصول قرآن وسنت کے لیے للہ فی اللہ خالص بنائیں۔ کیونکہ اعمال ہمیشہ اپنے مقاصد کے تحت ہی پروان چڑھتے ہیں۔ حدیث مبارک «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ» کا بھی یہی مفہوم ہے۔ آپ کی نیت ہونی چاہیے کہ اسلام وایمان کی حقیقت معلوم ہو، اس کے مطالبات سے آگاہی ملے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفتِ تامہ اور رسول اللہ ﷺ کا مقام ومرتبہ معلوم ہو اور ان کے ذریعے ہم اپنے ایمان وعمل کو مزین اور منور بنانے والے بن جائیں اور پھر اس کے بعد اللہ کی مخلوق کو بھی آگاہ کرنے کے لائق ہوسکیں۔

''خیال رہے کہ بے مقصد افراد کے لیے علم دوائے نافع نہیں سم قاتل و قاطع ہے۔ قوموں کے انحطاط کی ایک بڑی وجہ حد سے بڑھی ہوئی مادہ پرستی، اسباب طلبی، عہدوں، ملازمتوں اور اونچی کرسیوں کی خواہش اور ان کے لیے دوڑ دھوپ ہے۔'' (نقوش اقبال، ابوالحسن علی ندوی)

اس بارے میں امام نواب صدیق حسن خان صاحب قنوجی نے اپنی عظیم الشان تالیف «الحطه فی ذکر الصحاح السته» میں کیا خوب لکھا ہے:

''علم، تعلیم اور تعلم کا سب سے بڑا مقصد اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔ سب سعادتوں سے بڑھ کر سب سے افضل سعادت اور سب سے بڑا کمال یہی ہے۔ اور اسے ہی ''علم الیقین'' کہتے ہیں۔ اے طالب علم! خیال رکھنا کہیں کوئی دوسرا علم ومشغلہ تمھارے دل و دماغ پر اس طرح سے حاوی اور مسلط نہ ہوجائے کہ نزع کے وقت بھی تو اسی کا تکرار کررہا ہو۔ جیسا کہ ابوطاہر الزیادی کے متعلق کہتے ہیں کہ حالت نزع میں بھی ''مسئلہ زمان الدرک'' کا تکرار کررہا تھا!

علم کو وسیلۂ نجات سمجھنا اور بنانا چاہیے۔ کہتے ہیں کہ جو کوئی اپنے مخالف اور دشمن پر غلبہ پانے اور اسے زیر کرنے کا خواہاں ہو اسے چاہیے کہ علم حاصل کرے۔ کھانے پینے اور لباس کی (لایعنی) زینت میں مگن نہ ہو۔ اپنے مکان اور اثاث میں تجمل سے بچے۔ اپنے تمام تر معاملات میں میانہ روی اپنائے اور سلف صالحین کی سیرت اختیار کرے۔ جوں جوں اس کا میلان قلت اسباب کی طرف ہوگا اللہ کے قرب میں بھی اس کا مرتبہ بڑھتا جائے گا۔ کیونکہ حلال و مباح زینت کا استعمال اگرچہ حرام نہیں، لیکن اس میں جس قدر انہماک ہوگا اس سے اسی قدر انس و رغبت بھی بڑھے گا۔ اور نتیجتاً اسے اس کا چھوڑنا محال ہوجائے گا۔ لہٰذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ حتی الامکان بچنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ جو بھی دنیا کے مال و اسباب میں دل لگائے گا، اس سے بچ نہیں سکے گا۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ یہ نفع آور اور خیر ہونے کے ساتھ ساتھ زہر قاتل بھی ہے۔

حصولِ علم میں ریا، شہرت اور فخر ومباہات کا شائبہ تک نہ آنے دیں، نہ ہی اسے جمع دنیا کا ذریعہ بنائیں۔ دنیا تو اس کے مقابلے میں نہایت حقیر چیز ہے۔ عالم کا کم سے کم مقام یہ ہے کہ دنیا کی حقارت، خِسّت، بے ثباتی اور اس کے میلے پن کا یقین رکھے۔ اس کے مقابلے میں آخرت کی عظمت، رفعت، پائیداری اور عمدگی کو اپنے دل و دماغ میں ہمیشہ تازہ رکھے۔

تعجب ہوتا ہے کہ آج کل کے بعض عالم بھی جاہلوں کی دیکھا دیکھی دنیا جمع کرنے میں ان کی پیروی کرنے لگے ہیں، اور اس حسرت میں مرے جارہے ہیں کہ یہ یہ کچھ حاصل کیوں نہیں ہوسکا۔ اور جب حقیقت یہ ہو کہ جاہل ہوتے ہوئے بھی دنیائے دوں حاصل کی جاسکتی ہے تو اسے بہترین چیز ''علم'' کے بدلے کیوں حاصل کیا جائے؟ اور اس حقیر کی یہ نفیس ترین قیمت کیوں دی جائے؟ چاہیے کہ علم کا مقصد اصیل اللہ جل وعلا کی رضا اور ملأ اعلیٰ کی ہمسائیگی حاصل کرنا ہی ہو۔'' (جاری ہے)



خواتین کا ضیائے حدیث

ملکۂ خاندان بلقیس بیگم رحمہا اللہ

(ایڈیٹر)

صالح پور (کاموکی) کے رہائشی محمد شفیع مرحوم کا نکاح سکینہ بی بی سے ہوا اور ان کے ہاں یکے بعد دیگرے دو بیٹیاں اور پھر ایک بیٹا پیدا ہوا۔ بڑی بیٹی کی عمر ابھی 9,8 سال تھی کہ ان بچوں کی والدہ فوت ہوگئیں۔ محمد شفیع مرحوم نے دوسرا نکاح کیا۔ اب اس سوتیلی ماں کی عمران بچیوں سے کوئی زیادہ بڑی نہ تھی۔ مگر والد بزرگوار کی اچھی تربیت، سلیقہ شعاری اور معاملہ فہمی سے ان بیٹیوں کی تربیت بہت اچھے انداز سے ہوتی رہی۔ یہ اپنی سوتیلی ماں کو اصل ماں ہی سمجھتی تھیں اور ان کی اولاد کو سگے بہن بھائیوں سے بھی عزیز تر۔ راقم اس کا چشم دید گواہ ہے کیونکہ ہم نے اپنی پڑنانی جان کے ساتھ اپنی نانی جان کا حسن سلوک دیکھا ہوا ہے۔ اوران کی اولاد سے سلوک تو بڑا واضح تھا۔

اب یہ گھرانہ صالح پور سے جوئیاں والا (شیخوپورہ) منتقل ہو چکا تھا۔ محمد شفیع مرحوم کے سسر عبداللہ رحمہ اللہ کی کیلیانوالہ کی سپرا برادری سے عزیز داری تھی۔ اسی وساطت سے اب محمد شفیع مرحوم کے ہاں بڑی بیٹی رضیہ کے لیے رشتہ آیا۔ یہ رشتہ محمد یونس سپرا کا تھا۔ ان دونوں کی شادی ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں تین بیٹوں سے نوازا۔ ان تینوں میں سے ایک بیٹا وہی ہے جسے آج دنیا عبدالمالک مجاہد کے نام سے جانتی ہے۔

محمد شفیع مرحوم کی دوسری بیٹی بلقیس تھی۔ سپرا خاندان کی نیکی اور شرافت سے متاثر ہوکر اب مراسم مزید بڑھنے لگے۔ اب سپرا برادری کی مایہ ناز شخصیت حافظ عبدالحیٔ رحمہ اللہ کے صاحبزادے محمد سلیم کیلانی رحمہ اللہ کا رشتہ آ گیا۔ اور نکاح ہوگیا۔ یہ رشتہ محض دین کی بنیاد پر تھا۔ مولانا محمد سلیم کیلانی متعدد چھوٹے موٹے کام کرتے رہے۔ اور اللہ تعالیٰ انھیں مال اور اولاد سے نوازتا رہا۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے تین بڑی بیٹیوں اور 5 بیٹوں سے نوازا۔ بیٹے بھی بڑے نیک، اچھے، فرمانبردار اور حافظ عالم بنے مگر ایک بیٹی نے بڑا نام پیدا کیا جس کا نام ہے انیسہ فردوس۔ مولانا سلیم کیلانی کی بڑی بیٹی عصمت آراء کی شادی علوی سوہدروی خاندان کے چشم و چراغ مولانا محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ سے ہوئی اور چھوٹی بیٹی کا نکاح سپرا خاندان کے مایہ ناز سپوت مولانا عبدالمالک مجاہد سے ہوا۔ مولانا سلیم کیلانی رحمہ اللہ اور بلقیس بیگم نے زندگی میں بڑے نشیب وفراز دیکھے۔ وسائل کی عدم دستیابی نے کبھی گھنٹوں پیدل سفر کروایا، کبھی فاقے کاٹے مگر صبر وشکر کے ملے جلے جذبات سے یہ خاندان پھلتا پھولتا رہا۔ یہ غریب سا جوڑا کھیالی (گوجرانوالہ) شفٹ ہوگیا۔ بعدازاں چاندی کوٹ (وار برٹن، ننکانہ) منتقل ہوا اور پھر وار برٹن کے محلّہ عیدگاہ میں کرائے کے مکان میں اوراس کے بعد مکہ کالونی میں اپنے ذاتی مکان میں منتقل ہوگیا۔ اور اس کے ساتھ ہی مدرسے کے لیے اور سامنے مسجد کے لیے پلاٹ لے لیا گیا۔ اس کی بنیادوں میں مولانا محمد سلیم کیلانی رحمہ اللہ کے بڑے داماد مولانا محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ کا نمایاں کردار تھا اور بعد میں مولانا عبدالمالک مجاہد نے اس پودے کی خوب آبیاری کی۔

یہ تو تھا میری پیاری نانی جان کا خاندانی پس منظر۔ اور خوبصورت زندگی کی چند جھلکیاں۔ اب تھوڑا سا ان کی ذات کے بارے میں۔ راجپوت رانا خاندان سے تعلق رکھنے والے محمد شفیع مرحوم کی دونوں بیٹیوں نے سپرا خاندان میں آکر بہت اونچا مقام پایا۔ شاید یہ بھی بے جا نہ ہو کہ خود سپرا خاندان کی خواتین بھی یہ مقام نہ پاسکیں جو انھوں نے پایا۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ انھوں نے اپنے میکے اور سسرال والوں میں بڑا توازن رکھا تھا۔ غمی اور خوشی میں شریک ہونا تو ان کے کاغذوں میں واجب تھا۔ رضیہ بیگم جو کہ مولانا عبدالمالک مجاہد کی والدہ محترمہ تھیں۔ ان کے متعلق تو مجاہد صاحب نے سنہری یادوں میں بہت کچھ لکھا اور یقیناً اپنی اس خالہ اور خوشدامن پر بھی وہ بہت کچھ لکھیں گے۔ لیکن راقم کے

احساسات کچھ اس طرح ہیں کہ میری نانی جان مرحومہ بہت مخلص، ہمدرد، سلیقہ شعار، معاملہ فہم، جفاکش، حوصلہ مند، خاوند کی انتہائی فرمانبردار اور بچوں کی بہترین تربیت کرنے والی تھیں۔ نماز باجماعت کی خود بھی کوشش کرتیں اور ہر ایک کو تلقین بھی کرتیں۔ وہ جب دارالسلام آتیں تو انھیں جاننے والے ایسے ان کی گاڑی کی طرف لپکتے جیسے انھیں متاعِ گمشدہ مل گئی ہو۔ عزیز و اقارب کے ساتھ تو ان کا معاملہ ہی بڑا عجیب تھا۔ دیگر تعلق داروں اور واقف کاروں سے بھی ان کا معاملہ قابل رشک تھا۔ جس سے ایک بار ملتیں پھر اس سے خلوص و محبت کا ایسا تعلق بنا لیتیں کہ پھر اسے یہ یاد کرانے کی ضرورت نہ پیش آتی کہ میں فلاں ہوں۔ پھر جب بھی ملاقات ہوتی وہ چھوٹوں، بڑوں کا اور کاروبار کا پوچھتیں۔ ایک ایک کا نام لیتیں۔ ان کی زندگی کا اہم مشن یہ تھا کہ میں کسی نہ کسی طریقے سے دوسروں کے کام آؤں۔ اس کے لیے انھوں نے تنظیم بنائی اور نہ کوئی مجلس بلکہ وہ تن تنہا ہی شب و روز دوسروں کے لیے گزارتیں۔ بڑی صلح جو تھیں۔ جب جامعہ مرأۃ القرآن کا آغاز ہوا تو طالبات کا کھانا وہ خود ہی پکاتیں۔ ان کی خدمت کو سعادت سمجھتیں۔ ان کی ان خدمات کا اعتراف لوگوں نے جنازے کی صورت میں کیا۔ اپنے اور بیگانے بھی جنازے میں شریک ہوئے۔ تین بڑے بڑے جنازے ہوئے۔ ہر دل محزون، ہر آنکھ اشکبار اور ہر زبان داد تحسین دے رہی تھی۔ تبھی تو عنوان میں ''ملکۂ خاندان'' کا لقب مناسب لگا۔ اللہ تعالیٰ ان گواہیوں کو ان کے حق میں قبول فرمائے اور انھیں جنت الفردوس عطا کرے اور ان کی اولاد کو ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین!



ام حماس تیمیہ

زبان کی معمولی بداحتیاطی...

آشیانہ اُجاڑ سکتی ہے!!

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ قَالَ رَجُلٌ إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَّكُوْنَ ثَوْبُهُ حَسَنًا، وَنَعْلُهُ حَسَنَةً قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ، الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ» ''جس شخص کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا، (اس پر ایک شخص نے کہا) بے شک انسان پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اور جوتا خوبصورت ہو، (کیا یہ بھی تکبر ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے، (بلکہ) تکبر حق کا انکار اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔'' (صحیح مسلم: 275)

جہاں تک ریسرچ کا تعلق ہے تو یہ بات سامنے آئی ہے کہ طلاق زیادہ غصہ کی وجہ سے اور ایک دوسرے کو حقیر سمجھنے سے ہوتی ہے۔ کیونکہ عورت اپنے آپ کو جھکنے نہیں دیتی تو یہی حال مرد کا ہے وہ بھی 'الرجال قوامون' کے تحت پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ہنستا بستا گھر قبرستان کا نمونہ پیش کرتا ہے۔ اگر عورت سے غلطی ہو جائے یا مرد سے دونوں کو چاہیے کہ اپنے اپنے غلط رویے پر نظر ثانی کر کے صلح و صفائی کر سکتے ہیں۔ لیکن ہوتا کیا ہے جونہی خاوند بیوی کی بیہودہ گوئی، زبان درازی اور کج روی جیسی عادات بد کی اصلاح کے لیے اپنا قانونی ہتھیار طلاق استعمال کرتا ہے یا میاں بیوی کی معمولی رنجش اور ہٹ دھرمی سے نوبت طلاق تک پہنچ جاتی ہے تو



جونھی لفظ طلاق استعمال کیا، یہ لفظ سن کر بیوی فوراً مشتعل ہوکر اور شرعی احکامات کی پاسداری کیے بغیر گھر سے نکل جاتی ہے یا خاوند ہی اُسے دھکے مار مار کر گھر سے نکال دیتا ہے۔ تو پھر اگر یہ دونوں کام نہ ہوں تو کوئی تیسری قوت (بیوی یا خاوند کے رشتے دار) جلتی پر تیل کا کام کرتے ہیں اس طرح معاملہ کو رفع دفع کرنے کے بجائے فریقین کو خوب بھڑکاتے، اکساتے اور تعلق کو دشمنی اور عداوت میں بدل دیتے ہیں۔

یہ وہ تھا جو میاں بیوی دونوں کے غلط رویے کا نتیجہ نکلتا ہے۔ اب آپ کے سامنے عورت اگر تیز مزاج ہو تو گھر کا سکون کیسا رہتا ہے اور اگر تحمل مزاج یعنی تیز سے کم ہو تو..... کسی نے درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا اور آیت طلاق کے بعد اس کی تفسیر بیان کی تاکہ خواتین کو معلوم ہو سکے کہ اس آیت پر کیسے عمل کرنا ہے اور اس آیت میں موجود اللہ کے واضح حکم کو کیسے نافذ کرنا ہے۔ تو درس میں موجود ایک خاتون نے پوچھا: کیا اس عورت کے لیے جس کا خاوند اسے طلاق دے دے ضروری ہے کہ وہ عدت کا عرصہ اپنے خاوند کے گھر گزارے؟ میں نے اس خاتون کو بتایا: ہاں! عورت کے لیے خاوند کے اسی گھر میں عدت گزارنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے تاکہ اس دوران موافقت کی کوئی صورت پیدا ہو جائے، میاں بیوی اپنے گھر میں ایک ساتھ رہیں اور اپنے اہل خاندان کی مداخلت سے محفوظ رہیں تو شاید ان میں سازگاری پیدا ہو جائے اور وہ ازسرنو خیر وعافیت سے رہنے لگیں۔ بیوی کا گھر سے نکل جانا یا اسے نکال دینا اشتعال کا سبب بنتا ہے، جس سے اکثر لوگ غصے سے بھڑک اٹھتے ہیں۔ غصہ، نفرت، اشتعال، مخالفت اور شکوہ و شکایت کا ماحول شیطان کے لیے موسم بہار ہوتا ہے۔ پھر جب معاملات کی باگ ڈور شیطان کے ہاتھ چلی جاتی ہے تو علیحدگی اور جدائی کی نوبت پہنچ جاتی ہے یوں شیطان اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

میری یہ وضاحت سن کر وہ عورت کہنے لگی: ہائے میری بدبختی و بدنصیبی کہ دین اسلام سے ناواقفیت میرے گھر کے اجڑنے کا سبب بنی، قرآن سے لاعلمی نے میرے بچوں کو مجھ سے دور کر دیا۔ میرے خاوند اور میرے درمیان معمولی سا اختلاف ہوا، بات بالکل چھوٹی سی تھی، اس بات سے میرا خاوند مشتعل نہ ہوتا مگر میں نے بلاوجہ کچھ ایسی باتیں کہہ دیں کہ اس کا غصہ غیظ وغضب انتہا کو جا پہنچا، غصہ کے سبب میرا شوہر ہوش وحواس کھو بیٹھا اور اس نے طلاق کا لفظ بول دیا، یہ لفظ سنتے ہی میں نے اپنا سامان باندھا اور گھر سے نکل پڑی، دل درد سے لبریز تھا اور آنکھیں آنسوؤں سے تر، میں جونھی اپنے میکے پہنچی تو میری کہانی سن کر میرے میکے کا ہر فرد میرے خاوند سے میری توہین کا بدلہ لینے کے لیے بے تاب تھا۔ میرے خاوند نے پیغام بھیجا کہ گھر چلی آؤ مگر میں نے اس کی یہ پیش کش حقارت سے ٹھکرا دی۔ یوں میری ہٹ دھرمی اور انانیت نے مجھے غور وفکر اور درست فیصلے کرنے سے محروم کر دیا۔ عدت کے دوران میں نے اپنے گھر سے نکلنے کا ارتکاب کیا۔ میں خاوند سے بھی محروم ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے صاف اور واضح حکم کی مخالفت کا گناہ بھی مول لیا، بچے بھی مجھ سے دور ہو گئے۔

اسی طرح دوسری خاتون نے بتایا کہ میرا خاوند دل کا اچھا ہے، مگر ہے غصے والا، اپنے فیصلوں میں جلد بازی کرنے والا، مجھے بھی اس سے کچھ نفرت تھی اگر وہ مجھے ایک بات سناتا تو میں اسے دس باتیں سناتی، اگر مجھے کام کرنے کے لیے کہتا تو میرے ردعمل کے بعد اسے یوں محسوس ہوتا جیسے اس کا واسطہ کسی چٹان سے پڑا ہے، ایک روز ہمارے درمیان تلخ کلامی ہوئی اور اس نے مجھے طلاق کا فیصلہ سنا دیا، میں نے اسے کہا، یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ میرے بچوں کا کیا بنے گا؟ ان کا انجام کیا ہوگا؟ طلاق کا لفظ تم نے کتنی آسانی سے کہہ دیا لیکن میری ان باتوں کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ میں نے جونھی گھر سے نکلنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ کے اس حکم ﴿وَلَا يَخْرُجْنَ﴾ متعلقہ عورتیں خود بھی گھر سے نہ نکلیں نے مجھے گھر سے باہر نکلنے سے روک دیا۔ میں سوچنے لگی یا اللہ! اب میں کیا کروں؟ میں مسلسل رو رہی تھی۔ میرے بچے تسلی دے رہے تھے۔ اور جب مجھے قدرے سکون ہوا تو میرا خاوند دروازے کے پاس آ کر کہنے لگا: تم گئی کیوں نہیں؟ کیا میں نے تمھیں طلاق نہیں دی؟ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ایک آیت کے ذریعے مجھے گھر سے نکلنے سے روک دیا ہے۔ خاوند بولا: اب تم قرآن کی بات کر رہی ہو اور پہلے جب تم میری حکم عدولی کرتی تھی اور میرے حقوق نظرانداز کرتی تھی اس وقت تجھے قرآن یاد نہیں آتا تھا؟ تو میں نے یہ آیت مبارکہ پڑھی: ﴿لَا



تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ﴾ ''تم مطلقہ عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں۔'' (الطلاق 11:65)

اللہ تعالیٰ کا یہ حکم مجھ پر لاگو ہے اور آپ پر بھی، میرے لیے اتنی سزا ہی کافی ہے جو میں نے قرآن کی مخالفت کرکے پالی ہے۔ تو میرے خاوند نے بھی اللہ کے حکم کے سامنے سر جھکا لیا اور مجھ سے صلح وتصفیہ کرلیا۔

بعض مردوں کی بھی عادت ہوتی ہے بات بات پر غصہ اور چلانے کی، باہر چاہے بکری کی طرح رہتے ہوں مگر گھر میں گھستے ہی شیر بن جاتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی بات پر زبان درازی، مارکٹائی شروع کردیتے ہیں۔ یہ دیکھے بغیر کہ میرے سامنے کون ہے۔ وہ عورت جو اس مرد کی خاطر اپنے پیار ومحبت کرنے والے والدین، جان لٹانے والے بھائی، سہیلیوں کی طرح رہنے والی بہنیں چھوڑ کر آجاتی ہے۔ کس لیے! صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی خاطر۔ خدارا اس کمزور مخلوق کے حال پر رحم کرو، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: «لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا اللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيْءِ» ''مومن بہت طعنے دینے والا، بہت لعنے کرنے والا، فحش گو اور بے ہودہ گو نہیں ہوتا۔'' (مستدرك حاكم: 12/1)

بعض مردوں کی عادت ہوتی ہے بات بعد میں بتاتے ہیں پہلے اس کو لعن طعن کرتے ہیں یا اگر مرد زیادہ پڑھا لکھا ہے اور عورت کم تب بھی اسے حقیر سمجھنا انتہائی مہلک عادت ہے۔ اگر مرد خوبصورت ہے، اعلیٰ پرسنیلٹی کا مالک ہے اور بیوی اس سے کم ہے علم میں صورت میں تو بس اس عورت کی خیر نہیں۔ بات بات پر بدصورتی کے طعنے بات بات پر ان پڑھ جاہل گنوار سننا پڑتا ہے اور خود کو پڑھا لکھا اور ہر کام میں پرفیکٹ سمجھتا ہے جس کی وجہ سے گھر میں لڑائی جھگڑے رہتے ہیں اور نوبت طلاق تک پہنچ جاتی ہے۔ یا مرد کا بار بار عورت کو جتلاتے رہنا کہ مجھے تم سے بہتر مل سکتی تھی ہم ایسے ہی تمھیں بیاہ لائے اس طرح کے گلے شکوے بھی لڑائی کا سبب بنتے ہیں۔ اس میں عورت کا کوئی قصور نہیں جس کی جہاں قسمت کی فال نکلتی ہے اس کی وہاں ہی شادی ہوتی ہے یہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس اللہ نے تقدیر، قسمت اپنے پاس رکھی ورنہ انسان تو خود ہی تقدیر بناتے اور بدلتے رہتے۔ خودغرضی، انانیت اور حقارت سے پیدا ہونے والے گھریلو جھگڑوں کی چند مثالیں ملاحظہ کریں:

① اگر خاوند خود پسند، متکبر ہو اور بیوی کو حقیر سمجھے تو بیوی کے دل میں بھی نفرت پیدا ہوتی ہے، پھر دونوں طرف سے طعن وتشنیع کے تیر چلتے ہیں، گالم گلوچ ہوتی اور سلسلہ مار دھاڑ تک جا پہنچتا ہے۔ پھر انجام یا تو طلاق پر ہوتا ہے یا ایسی جوڑی قائم و باقی بھی رہے تو گھر جہنم کدہ بن جاتے اور اہل خانہ ہمیشہ بے سکون رہتے ہیں۔

② اگر بیوی خودغرض اور متکبر ہو تو وہ خاوند کو ذلیل و رسوا کرتی ہے اور بات بات پر اسے اس کی حیثیت جتلاتی ہے۔ جواب میں خاوند یا تو غلامی قبول کرتا ہے یا طلاق تک نوبت جاتی ہے جس سے گھر دہکتا رہتا ہے۔

③ اگر ساس طاقتور ہے اور بیٹوں پر حاوی ہے تو ایسے گھروں میں بہو کو باندی سمجھا جاتا ہے، بات بات پر ٹوکنا، غلطی پر لتاڑنا ساس اپنا حق سمجھتی ہے۔ ایسی ساس اپنے اختیارات کے دور میں تو مغرور و باوقار ہوتی ہے، لیکن جب اس کے اختیارات ختم ہوجائیں، یہ بوڑھی ہو جائے، اس کے اتحادی خاوند اور بیٹیاں جدا ہوجائیں تو بہو کی بادشاہت شروع ہوجاتی ہے، وہ گن گن کر بدلے لیتی اور ماضی کی تلخیوں کا حساب پورا کرتی ہے۔

④ بھابھی کمزور ہو تو نندیں شیر ہوتی ہیں اور بھابھی کو کام میں جوتے رکھنا، اس کو کڑوی کسیلی سنانا اپنا حق سمجھتی ہیں۔

⑤ اگر بھابھی شیر ہو تو نندیں کمزور اور مظلوم ہوتی ہیں ان سے ملازموں جیسا رویہ اپنایا جاتا ہے اور طعن وتشنیع کے تیر بھی برسائے جاتے ہیں۔

یہ وہ وجوہات ہیں جن سے گھر قبرستان کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ اگر وقت پر کوئی اپنے آپ کو درست کرلے تو گھر جنت کا نمونہ پیش کرسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرد وعورت کو اپنے گھر آباد رکھنے کی توفیق دے اور چھوٹی موٹی خامیوں کو درگزر کریں کیونکہ انسان گناہ کا پتلا ہے آج اگر عورت سے غلطی ہوئی ہے تو کل کو مرد سے بھی ہوسکتی ہے۔ اگر مرد سے ہوئی ہے تو کل کو عورت سے ہوسکتی ہے۔ اس لیے چھوٹی چھوٹی باتوں کو ایشو نہیں بنانا چاہیے اور دوسرے کی زندگی کو تنگ نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ ہم سب کو ہدایت عطا فرمائے۔ (آمین)



کیلشیم کی اہمیت

خصوصاً خواتین کے لیے

روزمرہ کھانے پینے والی چیزیں جو کیلشیم فراہم کرتی ہیں

ڈاکٹر طارق ریاض

اللہ تعالیٰ نے دنیا کو پیدا کیا تو اس میں کئی طرح کی اشیاء پیدا فرمائیں۔ جن میں مختلف اقسام کے عناصر (Elements) بھی شامل ہیں۔ خالق کائنات نے ان میں سے 16 عناصر کی آمیزش سے جاندار پیدا فرمائے۔ ان عناصر کو (Bio Elements) بائیو ایلیمنٹس کہا جاتا ہے۔ آکسیجن، کاربن، ہائیڈروجن، نائٹروجن، کیلشیم اور فاسفورس 6 اہم ترین عناصر ہیں جو جانداروں میں پائے جاتے ہیں۔ ان سے علاوہ 10 عناصر کو "Trales" کہا جاتا ہے۔ مثلاً: بورون، پوٹاشیم، سوڈیم، کاپر، میگنیشم، میگنیز، آئرن، Molybdenum آیوڈین اور زنک۔ گو ٹریس عناصر مقدار میں نہایت قلیل ہوتے ہیں لیکن معاملاتِ حیات ان کے بغیر نہیں چلتے۔ زیرِنظر تحریر میں کیلشیم کی اہمیت کو اجاگر کیا جارہا ہے۔

کیلشیم نہایت اہم عنصر ہے جو جانداروں اور بالخصوص انسانی جسم میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ انسانی جسم میں یہ 5 واں اہم ترین عنصر ہے۔ اس کو "Ca" کی علامت سے ظاہر کیا جاتا ہے اور اس کا ایٹمی یا جوہری نمبر 20 ہے۔ 1808ء میں "Humphry Davy" نے اسے دریافت کیا۔ اس "Alkaline Earth Metal" (دھات) کا نقطۂ پگھلاؤ 842 سینٹی گریڈ ہے۔ کیلشیم تنہا نہیں رہتا یہ عنصر کسی نہ کسی دوسرے عنصر کے ساتھ مل کر مرکب بناتا ہے، مثلاً: کیلشیم کاربونیٹ، کیلشیم سلفیٹ وغیرہ۔ کیلشیم ہڈیوں، دانتوں اور جانوروں کے خول (Shells) بنانے میں کردار ادا کرتا ہے۔

کیلشیم کی اہمیت کا اندازہ تو اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ حاملہ خواتین کو لیڈی ڈاکٹر کیلشیم کے استعمال کا مشورہ لازمی دیتی ہیں۔ کیونکہ ماں کے رحم میں پھلتا پھولتا بچہ ماں سے کیلشیم جذب کرکے اپنی نشوونما کررہا ہوتا ہے۔ اس دوران ماں اگر کیلشیم استعمال نہیں کرتی تو اس کی اپنی ہڈیاں کمزور ہوجاتی ہیں۔ بال کمزور ہو جاتے ہیں۔ عضلات (Muscles) کمزور پڑجاتے ہیں۔ صحت متاثر ہوجاتی ہے۔ لہٰذا حاملہ خواتین کو کیلشیم ضرور لینا چاہیے۔ کیلشیم کی اہمیت یوں بھی دوچند ہوجاتی ہے کہ بچہ کی ولادت کے بعد ماں جو تحفہ پیش کرتی ہے وہ اس کا دودھ ہوتا ہے۔ دودھ میں 89 فیصد پانی اور 6 فیصد کیلشیم کے علاوہ پروٹین و چکنائی بھی پائی جاتی ہے۔ یوں شیرخوار بچے کی تمام غذائی ضروریات ماں کا دودھ پوری کرتا ہے۔ ماں کے دودھ میں کیلشیم کی اچھی خاصی مقدار قدرت نے اسی لیے رکھی ہے کہ دودھ پی کر بچہ اپنے عضلات، ہڈیوں اور دانتوں کی بھرپور نمو کرسکے۔ اب اگر ماں خود کیلشیم کی کمی کا شکار ہو تو بچے کی ضروریات پورا کرنا مشکل ہوجائے گا۔ ایک جوان سے 50 سالہ خواتین کو لگ بھگ 1000 ملی گرام جبکہ 51 سالہ سے لے کر زیادہ عمر کی خواتین کو 1200 ملی گرام کیلشیم روزانہ کھانا چاہیے۔ تبھی وہ خود بھی صحت مند رہ سکتی ہیں اور ان سے پیدا ہونے والی اولاد بھی!

یہاں یہ امر بھی ضروری ہے کہ کیلشیم صرف خواتین یا بچوں کی ضرورت نہیں۔ مرد حضرات کو بھی اس کی غذائی ضرورت ہے۔ ایک جوان مرد سے 70 سالہ شخص تک 1000 ملی گرام اور 70 سال سے زائد عمر کے افراد کو 1200 ملی گرام کیلشیم روزانہ غذا کے ذریعے لینا چاہیے۔ دودھ، دہی، پنیر وغیرہ کیلشیم کے خزانے ہیں۔ حتیٰ کہ اللہ رب العزت نے یہ قیمتی عنصر سبزیوں، ترکاری، روٹی، "Soymilk"، مکئی، چاول،



باجرہ، آلو، پانی میں بھی رکھ دیا ہے تاکہ اس کی مخلوق استفادہ کر سکے۔ میوہ جات حتیٰ کہ مونگ پھلی میں بھی کیلشیم موجود ہے۔ غریب آدمی مہنگے چلغوزے یا اخروٹ نہیں کھا سکتا تو کوئی بات نہیں مونگ پھلی بھی کیلشیم کی ضرورت پوری کر دیتی ہے۔ گوبھی، سلاد، پالک میں بھی یہ موجود ہے۔ یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ ہم اپنی غذا کے ذریعے وٹامن D بھی اپنے جسم میں لے کر جاتے ہیں۔ یہ وٹامن ہڈیوں میں کیلشیم کو جذب کروانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ وٹامن D کی اہمیت پر بھی کبھی بات ہوگی۔ ان شاء اللہ!

انسانی جسم میں 99 فیصد کیلشیم تو ہڈیوں اور دانتوں میں پایا جاتا ہے لیکن 1 فیصد کیلشیم بھی دل کے عضلات، دماغ کی کارکردگی اور پٹھوں کی مضبوطی کے لیے اہم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی عمر سے بڑھاپے تک اس کی مقدار کو مناسب رکھنا بڑا اہم ہے ورنہ ہڈیاں کمزور ہو جاتی ہیں۔ ڈھانچہ ترچھا ہو جاتا ہے۔ ٹانگوں، کولہے اور کمر میں درد معمول بن جاتا ہے۔ دل کمزور اور یادداشت بھی متاثر ہوتی ہے۔ جسم سست اور عضلات ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ ایک نومولود کو 200 ملی گرام روزانہ کیلشیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ سکول و کالج جانے والی عمر کے بچوں (طلبہ و طالبات) کو عمر کے مطابق 700 سے 1300 ملی گرام کیلشیم ہر روز درکار ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں لڑکیاں بالخصوص دودھ یا دہی استعمال کرتے وقت نخرا کرتی ہیں۔ حالانکہ انھیں اپنی زندگی کے معاملات سرانجام دینے کے لیے کیلشیم کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے اور دودھ دہی سے بڑھ کر کیلشیم کسی اور چیز میں نہیں پایا جاتا۔ تاہم اگر ہاضمے کا مسئلہ ہے تو اس کا بھی حل موجود ہے کہ دودھ نہ سہی تو برفی، قلفی، کسٹرڈ، کھیر، فرینی، دودھ سویاں یا دودھ سوڈا کی صورت میں کیلشیم لیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح دہی کی لسی استعمال کی جاسکتی ہے۔ آم، کیلا، سیب، آڑو، کھجور، سٹرابری وغیرہ کا ملک شیک بھی اس کمی کو پورا کرسکتا ہے۔ ایسے افراد جنھیں دودھ پی کر آنتوں میں گیس کی شکایت ہوتی ہو ان کے لیے اوپر بیان کردہ طریقۂ غذا سے کیلشیم پہنچایا جاسکتا ہے۔

ہمارے جسم میں دماغ سے مختلف حصوں کو سگنلز (Signals) یا پیغامات جاتے ہیں۔ نیز ہمارے حلق میں موجود غدود (تھائیڈ ائیڈ گلینڈ) ایسے ہارمون (Hormones) خارج کرتے ہیں جہاں کیلشیم کا کردار ہے۔ یعنی صرف ڈھانچے کی مضبوطی تک ہی اس کی اہمیت نہیں بلکہ ذہنی استعداد اور میٹابولزم میں بھی کیلشیم کی اہمیت مسلمہ ہے۔ اسی لیے پروردگارِ عالم نے ہر موسم میں ایسی غذائی اشیاء پیدا کر رکھی ہیں جو ہماری کیلشیم کی ضروریات کو پورا کرتا دکھائی دیتی ہیں، مثلاً: لوبیا، انجیر، بروکلی (Broccoli)، سلمن مچھلی، کینو، مالٹا، سنگترہ، چکوترہ، برفی، آئس کریم، ونیلا (Vanilla) چاول، دودھ چاول، پڈنگ (Pudding)، ایسی معیاری چاکلیٹ جس میں کم از کم 2 فیصد دودھ استعمال ہوا ہو، چلغوزے وغیرہ۔ اب اگر ان غذائی اشیاء کا بغور جائزہ لیا جائے تو قدرتی اور انسانی ہاتھوں سے بنی غذائی اشیاء جن میں دودھ استعمال ہوا، کیلشیم حاصل کرنے کے بہترین ذرائع ہیں۔ اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کی ضرورت کو سامنے رکھ کر ہر موسم میں کیلشیم کی فراہمی کو یقینی بنایا ہے۔ یہ اب ہمارے ہاتھ بات ہے کہ ہم اس کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے ان سے فائدہ حاصل کریں اور اپنے بچوں خاص کر بیٹیوں میں ہرگز کیلشیم کی کمی نہ ہونے دیں۔

اب اگر یہ معلوم کرنا مقصود ہو کہ ہمارے گھر کے کس فرد میں کیلشیم کی کمی ہے تو اس کا اندازہ بخوبی درج ذیل علامات سے لگایا جاسکتا ہے:
① یادداشت میں کمی ② عضلات کا سُن رہنا ③ طبیعت میں مایوسی ④ دماغ کا سُن رہنا ⑤ ہاتھوں، پیروں اور چہرے پر چبھن یا جلن کا احساس ⑥ ہڈیوں میں بھربھراپن (Osteoprosis) ⑦ عمر والی خواتین میں ماہواری بند ہونے کے بعد تھکن و ہڈیوں کا نرم پڑ جانا ⑧ عضلات کا نرم پڑ جانا وغیرہ۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ ان میں سے کسی علامت پر از خود کوئی کیلشیم سپلیمنٹ نہیں لینا چاہیے۔ اول تو قدرتی طریقے سے کھا پی کر اس کمی کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ دوسرے ایک ماہر ڈاکٹر ہی خون اور ہارمون کا ٹیسٹ کر کے مناسب تجویز دے سکتا ہے۔ ایسا کرنا اس لیے ضروری ہے کہ کیلشیم کی کمی سے کمر میں درد رہتا ہے۔ کولہے یا گھٹنے کی ہڈی وزن سے فریکچر ہو سکتی ہے۔ تیزی سے چلنا، بھاگنا اور تیز تیز قدم اٹھانا ممکن ہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے بے شمار نعمتیں پیدا کی ہیں۔ ہمیں ہر دو تین ماہ بعد اپنا کیلشیم ٹیسٹ اور وٹامن D لیتے رہنا چاہیے۔ صحت مند شخص ہی زندگی کا مزا لے سکتا ہے!



شانِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

خطاب: الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ
اعداد: حافظ شبیر صدیق

منہج سلف کی روشنی میں صحابی کی تعریف، فضیلت و مقام اور مشاجرات کی بابت مؤقف

خطبہ مسنونہ کے بعد: ﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيارِهِمْ وَأَمْوالِهِمْ.....﴾ (الحشر 59:8-10)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعلق سے منہجی باتیں بتانا چاہتا ہوں۔ پہلا مسئلہ صحابی کی تعریف ہے۔ صحابی کی سب سے جامع تعریف حافظ ابن حجر نے فرمائی ہے۔ صحابی وہ شخص ہے: «لَقِيَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مُومِناً بِهِ» جو نبی ﷺ سے ملا ہو آپ کے ساتھ ایمان لانے کی حالت میں۔ «مَاتَ عَلَى الْإِسْلَامِ» اس کا انتقال بھی اسلام پر ہوا ہو۔ آخر دم تک اسلام پر قائم رہا ہو۔ (نخبة الفكر، ص: 3) تعریف میں صحابیت کے ثبوت کے لیے چار شرائط ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ صحابی نبی علیہ السلام سے ملا ہو، اس کی ملاقات نبی علیہ السلام سے ثابت ہو۔ وہ ملاقات خواہ چھوٹی ہو یا بڑی ہو۔ خواہ پوری زندگی کا ساتھ ہو جیسے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا چند لمحات کا دیدار ہو جیسے وہ شخص جو نجد کی سرزمین سے آیا تھا۔ نبی علیہ السلام سے ایک سوال کیا: «أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ إِذَا عَمِلْتُهُ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ» یارسول اللہ ﷺ وہ کون سا عمل ہے جس عمل کے کرنے سے میں جنت میں داخل ہوسکتا ہوں۔ اس کا کہنا یہ تھا: «أَتَيتُ مِنْ أَهْلِي وَوَلَدِي وَعَشِيرَتِي» میں یہ سوال پوچھنے کے لیے اپنے اہل وعیال، اپنی تجارتیں، اپنی قوم برادری سب کچھ چھوڑ کر آرہا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اسلام کے پانچوں ارکان کی تعلیم دی۔ اس نے بات کو سمجھا اور واپس جانے کے لیے مڑا تاکہ اپنی قوم کو جاکر دعوت دوں۔ اتفاق سے اس کی اونٹنی کا پاؤں ایک بل میں داخل ہوا، توازن بگڑ گیا اور وہ شخص گردن کے بل نیچے گرا۔ وہیں شہید ہوگیا۔ یہ اس کی نبی علیہ السلام کے ساتھ مختصر صحبت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنے قریب منگوایا۔ صحابہ اٹھا کر لائے۔ نبی علیہ السلام نے اپنا چہرۂ مبارک اس کے قریب کیا۔ پھر پیچھے ہٹا لیا۔ فرمایا کہ «إِنِّي رَأَيتُ مَلَكَينِ يَدُسَّانِ فِي فِيهِ مِن ثِمَارِ الْجَنَّةِ» میں نے اللہ کے فرشتوں کو دیکھا اس کے منہ میں جنت کے پھل ڈال رہے تھے۔ «فَعَلِمْتُ أَنَّهُ مَاتَ جَائِعًا» اس سے مجھے یہ اندازہ ہوا، یہ شخص بھوکا اور پیاسا سفر کررہا تھا۔ کوئی کھانے اور پینے کی ہوش نہیں تھی۔ ایک ہی ہدف تھا، ایک ہی نصب العین تھا۔ نبی علیہ السلام تک جلدی پہنچ جاؤں، اپنا سوال پیش کروں اور جواب حاصل کرکے عمل شروع کردوں۔ نبی علیہ السلام اس کو دفن کررہے ہیں اور ساتھ فرما

رہے ہیں کہ «عَمِلَ قَلِيلًا وَ أُجِرَ كَثِيراً» تجھے عمل کرنے کا موقع نہیں ملا لیکن تو ثواب بہت پا گیا ہے۔ اجر بے تحاشہ پا گیا ہے۔(مسند أحمد: 359/4) تو اس کی جو صحبت ہے نبی علیہ السلام کے ساتھ بڑی مختصر ہے۔ چونکہ بحالت ایمان یہ دیدار حاصل ہوگیا۔ یہ بھی صحابی ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی صحابی ہیں، یہ بھی صحابی ہے۔ پہلی شرط لقاء کی، ملاقات کی ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ یہ لقاء بحالت ایمان ہو۔ چنانچہ کافر آپ سے ملتے تھے، یہودی آپ سے ملتے تھے، ایمان نہیں لائے، وہ صحابی نہیں ہوسکتے۔ منافقین آپ سے ملتے تھے، ایمان نہیں لائے۔ کیونکہ ایمان وہ معتبر اور مسلّم ہے جو ظاہراً و باطناً ہو۔ منافقین کا اسلام ظاہراً تھا، حقیقتاً اور باطناً نہیں تھا۔ تو منافق صحابی نہیں ہوسکتا۔ یہ دوسری شرط ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ ایمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر لائے۔ ایسے لوگ بھی آپ کو ملے جو ایمان دار تو تھے لیکن نبی علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے تھے۔ ان کا ایمان اپنے نبی پر تھا جیسے بحیرہ راہب۔ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا ہوا تھا۔ عیسائی تھا۔ نبی علیہ السلام پر ایمان نہیں لا سکا۔ آپ سے حمایت کا ذکر کیا۔ مدد کا ذکر کیا، آپ کی حقانیت کا ذکر کیا۔ ایمان نہیں لایا، اس لیے بحیرہ راہب صحابی قرار نہیں پا سکتا۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ اسی ایمان پر اس کا انتقال ہو۔ اسی ایمان پر مرا ہو۔ لوگ ایمان لائے تھے لیکن مرتد ہوگئے۔ جیسے عبداللہ بن جحش ام حبیبہ کا سابقہ شوہر ہے۔ اسلام لایا اور حبشہ کے مہاجرین کے ساتھ ہجرت بھی کی حبشہ کی طرف، لیکن حبشہ جا کر نصرانی ہوگیا۔ مرتد ہوگیا۔ یہ صحابی قرار نہیں پائے گا۔ صحابی کی تعریف جس میں یہ چار چیزیں جمع ہوں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لقاء اور بحالت ایمان نبی علیہ السلام کا دیدار اور ایمان بھی آپ کے ساتھ اور اس ایمان پر وہ تاحیات قائم رہا ہو۔ یقیناً جس شخص میں یہ چار چیزیں آجائیں وہ صحابی ہے۔ اور وہ بڑی فضیلت کا اور بڑے اونچے مقام کا حامل ہے اور مستحق ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «لَاتَسُبُّوا اَحَداً مِنْ أَصْحَابِي» میرے کسی صحابی کو گالیاں نہ دینا۔ ان پر طعنہ زنی یا تنقید نہ کرنا۔ «فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ اَنْفَقَ اَحَدٌ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَباً لَمَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ» ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم لوگ احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرو، میرا ایک صحابی صرف ایک پاؤ کھجوریں خرچ کردے تو اللہ تعالیٰ ایک پاؤ کھجوریں خرچ کرنے پر جو اجر اور ثواب میرے صحابی کو دے گا احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرنے پر تمھیں نہیں دے گا۔'' (صحيح البخاري: 3673، وصحيح مسلم:2541)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ اس بنا پر کہ انھیں نبی علیہ السلام کی زیارت کا اور نبی علیہ السلام کے دیدار کا شرف حاصل تھا، اس بنا پر ان کا درجہ، ان کا مقام بڑا اونچا ہے۔ صحابہ کرام کو ایک درجہ ممتاز حاصل ہے اور وہ نبی علیہ السلام کی لقاء، آپ کی زیارت اور آپ کے دیدار کا شرف ہے۔ صحیح بخاری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے: «يَغْزُو فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ» ایک وقت آئے گا کہ لوگوں کا ایک گروہ اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا، قتال کرے گا۔ «فَيُسْئَلُ» اس گروہ میں پوچھا جائے گا: «هَلْ فِيكُمْ مَنْ صَحِبَ رَسُولَ اللّٰهِ» ''کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس کو اللہ کے پیغمبر کی صحبت کا شرف حاصل ہو۔'' «فَيُقَالُ نَعَمْ» ''کہا جائے گا: ہاں!'' اس لشکر میں ایسے لوگ موجود ہیں جنھیں نبی علیہ السلام کی صحبت کا شرف حاصل ہے۔

«فَيُفْتَحُ لَهُمْ» ''اللہ تعالیٰ اس لشکر کو فتح دے دے گا۔'' اس لشکر کی فتح کی وجہ ایسے لوگوں کا موجود ہونا جو نبی علیہ السلام کے صحابی تھے۔ فرمایا کہ «ثُمَّ يَغْزُو فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ» ''پھر ایک اور گروہ قتال کرے گا، ایک اور گروہ جہاد کرے گا۔'' «فَيُسْأَلُ» وہاں بھی پوچھا جائے گا: «هَلْ فِيكُمْ مَنْ رَاٰى مَنْ صَحِبَ رَسُولَ اللّٰهِ» ''کیا تم میں ایک ایسا شخص ہے جس نے اللہ کے پیغمبر کے کسی صحابی کو دیکھا ہو؟'' «فَيُقَالُ نَعَمْ» ''کہا جائے گا: ہاں!'' ایسے لوگ موجود ہیں جنھوں نے پیغمبر علیہ السلام کو تو نہیں لیکن پیغمبر علیہ السلام کے صحابہ کو دیکھا ہے۔'' «فَيُفْتَحُ لَهُمْ» رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اس لشکر کو بھی فتح دے دے گا۔ کس چیز کی برکت سے؟ کہ اس جماعت میں ایسے لوگ موجود ہیں جنھوں نے پیغمبر علیہ السلام کے صحابہ کا دیدار کیا ہے۔ فرمایا کہ «ثُمَّ يَغْزُو فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ» ''پھر لوگوں کی ایک اور جماعت اللہ کی راہ میں جہاد کرے گی۔'' «فَيُسْأَلُ» وہاں بھی پوچھا جائے گا: «هَلْ فِيكُمْ مَنْ رَاٰى مَنْ صَحِبَ مَنْ صَحِبَ رَسُولَ اللّٰهِ؟» کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے اس شخص کو دیکھا ہو جس شخص نے اللہ کے پیغمبر کے کسی صحابی کو دیکھا ہو؟ تبع تابعی۔

«فَيُقَالُ نَعَمْ» ''کہا جائے گا: ہاں ایسے افراد موجود ہیں۔'' «فَيُفْتَحُ لَهُمْ» ان کی بھی اللہ تعالیٰ مدد کرے گا اور ان کو فتح عطا فرمادے گا۔(صحيح البخاري:2897، و صحيح مسلم: 2532) ان کی فتح کس برکت سے ہوگی؟ ایسے لوگوں کی موجودگی کی برکت سے جنھوں نے دیدار کیا ہو، کس کا؟ ان کا جنھوں نے کسی صحابی کا دیدار کیا۔ یہ صحابہ کی شان اور ان کا مقام ہے۔ رفعت درجہ کہ اس کی موجودگی فتح کا، اللہ کی رضا کا، اس کی رحمت کا اور اس کی مدد کا باعث ہے۔ یہ صحابہ کا مقام اور درجہ ہے۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «اَلنُّجُومُ اَمَنَةٌ لِلسَّمَاءِ» ''آسمان کے ستارے آسمان کی امان ہیں۔ آسمان کے محافظ ہیں۔'' تارے اللہ کے فوجی ہیں۔ ایک دور تھا کہ یہ ''جن'' آسمانوں کی طرف جاتے اور فرشتوں کی باتیں سن کر آسمانوں کے فیصلے اچکنے کی کوشش کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے جب محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا فیصلہ فرمالیا، اس نے طے کرلیا کہ اب آسمانوں کی خبریں زمین پر پہنچیں گی صرف ایک ہی شخصیت کے ذریعے اور وہ شخصیت محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے۔ سارے راستے بند کردیے۔ ستاروں کو اللہ تعالیٰ نے یہ تاثیر دے دی کہ اب کوئی جن اگر آئے تو آگ کا شعلہ بن کر ان کو راکھ کردیں، ان کو جلادیں۔ چنانچہ یہ ستارے آسمانوں کی امان بن گئے۔ آسمانوں کے محافظ بن گئے۔ اللہ تعالیٰ کی خبروں کے محافظ بن گئے۔ فرمایا کہ ستارے آسمانوں کی امان ہیں۔«وَاَنَا اَمَنَةٌ لِاَصْحَابِي» اور میں یعنی محمد رسول اللہ ﷺ امان ہوں اپنے صحابہ کے لیے۔ جب تک میں زندہ ہوں، جب تک میں موجود ہوں، محافظ ہوں، امان ہوں اپنے صحابہ کے لیے۔ کتنا پیارا تعلق ہے! فرمایا کہ «وَاَصْحَابِي اَمَنَةٌ لِاُمَّتِي» اور میرے صحابہ امان ہیں، محافظ ہیں میری امت کے لیے۔ «فَاِذَا ذَهَبَ اَصْحَابِي» جب میرے صحابہ چلے جائیں گے، فوت ہوجائیں گے اور یہ زمین صحابہ کے وجود سے خالی ہو جائے گی۔ «اَتَى اُمَّتِي مَا يُوعَدُونَ» میری امت کو وہ سارے فتنے، فسادات لاحق ہوں گے جن کا اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ (صحيح مسلم: 2531) لیکن جب تک صحابہ باقی ہیں، زندہ ہیں، میری امت کو فتنے لاحق نہیں ہوں گے۔ یہ کون سے فتنے مراد ہیں؟ یہ فتنے بدعات، خرافات، شرک اور مختلف قسم کے انتشار، جہمیہ، کرامیہ، یہ گمراہ فرقے پیدا ہوں گے۔ رافضہ، مرجئہ، قدریہ، جبریہ، معتزلہ، عجیب و غریب ان کے عقائد ہیں۔ فرمایا کہ میرے صحابہ کا وجود امت کے لیے امان ہے، امت کے لیے برکت ہے۔ وہ فتنے میری امت کو لاحق ہوں گے جن کا اللہ نے وعدہ کیا ہے لیکن صحابہ کے جانے کے بعد۔ یہ تمام حدیثیں صحابہ کرام کی فضیلت اور ان کے رفعتِ درجہ کی اساس ہیں، بہت بڑی نشانی ہیں۔ یہ جماعت کتنی مقدس جماعت اور کتنی محترم جماعت ہے۔ ان کے قلوب بالکل صاف ستھرے، نظیف ہیں۔ اب تک میں نے دو باتیں سمجھائی ہیں: ① صحابی کی تعریف ② صحابی کا مقام اور صحابی کی فضیلت۔

تیسری منہجی بات یہ ہے کہ صحابہ کرام یا ان میں سے کسی ایک کو سب وشتم کا نشانہ بنانا، گالی گلوچ کرنا، ان پر جرح کرنا، ان پر تنقید کرنا اس کو علماء نے کفر قرار دیا ہے۔ ابوزرعہ الرازی بڑی چوٹی کے محدث ہیں، فرمایا کرتے تھے: «اِذَا رَأَيْتَ الرَّجُلَ يَنْتَقِصُ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَاعْلَمْ اَنَّهُ زِنْدِيقٌ» ''جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ نبی علیہ السلام کے کسی صحابی کو گالی دے رہا ہے، ان پر تنقید کررہا ہے، ان کی تنقیص شان کررہا ہے، ان کی شان میں کمی پیدا کرنے کی کوشش کررہا ہے۔'' «فَاعْلَمْ اَنَّهُ زِنْدِيقٌ» تو جان لو، اس بات کی گواہی دو کہ وہ شخص زندیق ہے۔ وہ شخص زندیق ہے اس پر کفر ہے، وہ زنادقہ میں سے ہے۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ فرمایا: پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کی صحبت کا شرف اور ان کا وہ مقام جو اللہ نے بیان کیا قرآن اور حدیث میں اس کا انکار ہے۔ قرآن وحدیث کا انکار کفر ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ بات دین پر حملہ ہے۔ یہ صحابہ کی تنقیص شان نہیں بلکہ دین کی تنقیص شان ہے۔ کیوں؟ فرماتے ہیں کہ ہم یہ بات جانتے ہیں کہ «اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ حَقٌّ» اللہ کے پیغمبر حق ہیں۔ «وَاَنَّ الْقُرآنَ حَقٌّ» اور قرآن بھی حق ہے۔ اور پیغمبر علیہ السلام کی سنتوں کو اور قرآن پاک ہماری طرف منتقل کرنے والا کون ہے؟ یہ قرآن وحدیث ہمیں اس طرح نہیں ملا کہ اللہ نے ہمارے گھروں میں پھینک دیا ہو یا پہنچا دیا ہو۔ بلکہ اس قرآن وحدیث کو اللہ کے پیغمبر سے لینے والے اللہ کے پیغمبر کے صحابہ ہیں۔ تو صحابہ کرام اس دین کے اول ناقل ہیں۔ اس دین کو سب سے پہلے لینے والے اور آگے پہنچانے والے ہیں۔ تو اگر یہ پہلی جماعت ہی

مجروح قرار دی جائے تو یہ جرح اس جماعت پر نہیں بلکہ دین پر ہے۔ کیونکہ خبر لانے والے کو دیکھا جاتا ہے کہ خبر لانے والا کون ہے؟ اگر وہ ضعیف ہے، اگر وہ کمزور ہے، اگر وہ ناقص ہے تو اس کی خبر بھی کمزور ہے؟ اس کی خبر بھی ضعیف ہے۔ لہٰذا اگر صحابہ کرام اس لعن طعن کا محل ہیں، نشانہ ہیں تو پھر جو خبر وہ لائے، اور قرآن و حدیث ہم تک پہنچایا اس پر بھی یہ شبہ وارد ہو رہا ہے، اس کی بھی تنقیص لازم آ رہی ہے۔ یہ حملہ صحابہ پر نہیں بلکہ یہ حملہ اللہ کے پیغمبر کے دین پر ہے۔ یہ قرآن پر ہے، یہ حدیث پر ہے کیونکہ قرآن و حدیث کے ناقلین جو ہیں وہ صحابہ کرام ہیں۔ «وَالْجَرْحُ بِهِمْ أَوْلٰى» ثابت یہ ہوا کہ جو لوگ صحابہ پر جرح کرتے ہیں وہ خود جرح کے مستحق ہیں۔ ان کا یہ وار صحابہ پر نہیں بلکہ اللہ کے دین پر ہے۔ اور جو اللہ کے دین پر وار کرے گا وہ مجرم ہے، وہ عاصی ہے، وہ باغی ہے اور وہ خود جرح کا مستحق ہے۔ (اعتقاد اهل السنة فی الصحابة، ص: 29) صحابہ کی تنقیص شان کرنے والا درحقیقت مجرم ہے جو اس دین پر حملے کر رہا ہے۔ صحابہ کرام نبی علیہ السلام کی ان احادیث کی روشنی میں تعظیم کے مستحق ہیں اور محبت کے مستحق ہیں۔ ان کی تعظیم، ان سے محبت یہ دین کی محبت ہے اور یہ دین کی تعظیم ہے۔ ان کا احترام دین کا احترام ہے۔ ان کی محبت اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول ہے۔ امام اہل السنۃ اور بڑی چوٹی کے محدث ہیں۔ امام بخاری جیسے محدث کے استاد ہیں۔ فرمایا کرتے تھے: «مَنْ سَبَّ اَصْحَابَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ هُوَ مُبْتَدِعٌ رَافِضِيٌّ» جو اللہ کے پیغمبر کے کسی صحابی کو گالی دے، ان پر جرح کرے وہ بدعتی اور رافضی ہے۔ بدعتی ہے اور رافضی ہے۔ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کے ساتھ تو ہمارا چار طرح کا تعلق ہونا چاہیے۔ یہ چاروں باتیں نوٹ کرلو۔ یہ چاروں باتیں منہج اہل السنہ ہیں۔ ہمارے عقیدے کا حصہ ہیں۔ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام سے ہمارے چار طرح کے تعلق قائم رہنے چاہئیں: ① **حُبُّهُمْ سُنَّةٌ**۔ ان سے محبت کرنا اللہ کے پیغمبر کی سنت ہیں۔ اللہ کے پیغمبر سے محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت ہے۔ اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا فرمان: «اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِي أَصْحَابِي فَلَا تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا بَعْدِي فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَحَبَّنِي فَقَدْ اَحَبَّ اللّٰهَ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي اَبْغَضَهُم وَمَنْ اَبْغَضَنِي فَقَدْ اَبْغَضَ اللّٰهَ» میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈر کر رہنا۔ میرے صحابہ کے بارے میں اللہ کا خوف پیدا کرلو۔ «فَلَا تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا بَعْدِي» اور میرے بعد میرے صحابہ پر تنقید نہ کرنا، ان پر جرح نہ کرنا، سب وشتم نہ کرنا۔ «فَمَنْ اَحَبَّهُمْ» جو ان سے محبت کرے گا۔ «فَبِحُبِّي اَحَبَّهُمْ» اس نے صحابہ سے اس لیے محبت کی کہ اسے مجھ سے محبت ہے، کس سے؟ محمد رسول اللہ ﷺ سے۔ جو صحابہ سے محبت کرے گا اس لیے کرے گا کہ اسے مجھ سے محبت ہے۔ «فَمَنْ اَحَبَّنِي فَقَدْ اَحَبَّ اللّٰهَ» اور جس شخص نے مجھ سے محبت کرلی اس نے اللہ سے محبت کرلی۔ یہ صحابہ کی محبت اللہ کے پیغمبر کی محبت ہے اور اللہ کے پیغمبر کی محبت اللہ کی محبت ہے۔ «وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ» جو شخص ان سے بغض رکھے گا۔ «فَبِبُغْضِي اَبْغَضَهُمْ» اس نے صحابہ سے اس لیے بغض رکھا کہ اسے مجھ سے بغض ہے۔ «وَمَنْ أَبْغَضَنِي فَقَدْ اَبْغَضَ اللّٰهَ» اور جو شخص مجھ سے بغض رکھے گا اس نے اللہ سے بغض رکھا۔ (جامع الترمذي: 3862) صحابہ کا بغض میرا بغض ہے اور میرا بغض اللہ کا بغض ہے۔ صحابہ سے عداوت میری عداوت ہے۔ اور میری عداوت اللہ کی عداوت ہے۔ بات کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہے۔ یہ جماعت محبت کے قابل ہے۔ اس جماعت سے محبت اللہ کے پیغمبر کی محبت ہے۔ اور اللہ کے پیغمبر کی محبت اللہ کی محبت ہے۔ اس جماعت کا بغض اللہ کے پیغمبر کا بغض ہے اور اللہ کے پیغمبر کا بغض اللہ کا بغض ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ «حُبُّهُمْ سُنَّةٌ» صحابہ کی محبت سنت ہے۔ صحیح بخاری میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے: «اٰيَةُ الْإِيمَانِ حُبُّ الْأَنْصَارِ وَآيَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْأَنْصَارِ» انصار صحابہ کی محبت ایمان کی نشانی ہے اور انصار صحابہ کا بغض نفاق کی نشانی ہے۔ جو شخص انصار صحابہ سے محبت کرے گا وہ اس کے ایمان کی دلیل ہے اور جو شخص انصار صحابہ کا بغض رکھے گا وہ منافق ہے۔ یہ حدیث بھی صحابہ سے محبت کی ایک بڑی قوی دلیل ہے۔ فرمایا کہ «حُبُّهُمْ سُنَّةٌ» صحابہ سے محبت کرنا سنت ہے۔

② **وَالدُّعَاءُ لَهُمْ قُرْبَةٌ**. اور صحابہ کے لیے دعائیں مانگنا قربت ہے۔ اللہ کی قربت ہے۔ تو اللہ رب العزت ایسے لوگوں سے محبت کرے گا جو صحابہ کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔ ان کا نام آجائے تو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ کہتے ہیں۔

رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِينَ کہتے ہیں۔ یا اللہ! ان سے راضی ہوجا۔ اپنی رضا عطا فرما دے۔ تو فرمایا کہ ان کے لیے دعائیں مانگنا رضا کی، اللہ کی رحمت کی، ان کا نام لے کر رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ کہنا یہ اللہ کی قربت ہے۔ وہ لوگ اللہ کی محبت اور اس کے قرب کے مستحق ہیں جو صحابہ کا نام لے کر ان کے لیے دعائیں مانگتے ہیں۔ اور یہ بھی ایک منہج ہے اہل السنہ کا کہ صحابہ کا جب بھی نام لو ان کے لیے دعا ضرور کرو۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ ضرور کہو۔ ان کا نام اگر لکھو تو کتابت میں وہ دعا بھی لکھو۔ بعض لوگ صرف ''ر'' اور ''ض'' (رضی اللہ عنہ) لکھ دیتے ہیں اور اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ صحابی کا نام لکھا اور آگے را اور ضاد لکھ دیا۔ یہ درست نہیں یہ غلط ہے۔ یہ اغیار کی سازش ہے۔ پوری دعا لکھو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ۔ جب صحابہ کا نام آئے رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِينَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، اللہ ان سب سے راضی ہوجائے۔ فرمایا کہ ان کے لیے دعا کرنا قرب ہے، اللہ کی محبت کی نشانی ہے۔ اور تیسری چیز کیا ہے؟

③ وَالْاِقْتِدَاءُ بِهِمْ وَسِيلَةٌ. ان کی اقتدا وسیلہ ہے۔ (عقيدة اهل السنة والجماعة:105/1) کس چیز کا؟ جنت کے حصول کا، کامیابی کا، دنیا اور آخرت کی کامیابی کا وسیلہ ہے، یہ ذریعہ ہے۔ یہ واسطہ ہے اللہ کی رضا کا۔ اور یہ سب سے اہم نکتہ ہے صحابہ کے تعلق سے رضی اللہ عنہم۔ سب سے اہم نکتہ اور سب سے اہم منہجی بات یہ ہے کہ صحابہ کرام کی اقتدا کی جائے۔ اس پر قرآن شاہد عدل ہے۔ سورہ بقرہ، منافقین کے ذکر میں کیا فرمایا؟ فرمایا کہ ﴿وَاِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا اٰمَنَ النَّاسُ﴾ جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ، کیسے؟ جیسے لوگ ایمان لائے۔ (البقرة 13:2) اس میں کون ایمان لائے تھے؟ صحابہ کرام ایمان لائے تھے۔ تم بھی ایمان لاؤ، کیسے؟ جیسے یہ لوگ ایمان لائے رضی اللہ عنہم۔ ویسے تم بھی ایمان لاؤ۔ اس کا معنی کیا ہے؟ کہ صحابہ کا ایمان مثالی ایمان تھا۔ اگر ان کے ایمان میں کوئی جھول ہوتا، کوئی قباحت ہوتی، کسی بھی دور میں ان کے ایمان میں کوئی اضطراب ہوتا تو وہ قرآن جو قیامت تک منبر ومحراب پر پڑھا جائے گا اس قرآن میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے ایمان کو مثالی ایمان کیوں قرار دیا؟ کہ جیسے یہ لوگ ایمان لائے ویسے تم ایمان لاؤ۔ تمھارا ایمان ان جیسا ہونا چاہیے۔ تو صحابہ کا ایمان مثالی ایمان تھا۔ ہمارا یہ فرض منصبی ہے ہم ایمان لائیں اور ہمارے ایمان کی کیفیت، ہمارے ایمان کا طریقہ، ہمارے ایمان کی صفت بالکل صحابہ کرام جیسی ہو، ان کا ایمان امت کے لیے مثال ہے۔ ان کا ایمان امت کے لیے ایک نمونہ اور امت کے لیے ایک آئیڈیل ہے۔ اور یہ سب سے بڑا منہج ہے صحابہ کی سیرت کا۔ اللہ پاک کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ (النسآء 115:4) کہ جو لوگ رسول کی نافرمانی کریں گے ﴿مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى﴾ ہدایت کے واضح ہونے کے بعد، ہدایت کیسے واضح ہوئی اور کس کے ذریعے واضح ہوئی؟ آگے فرمایا: ﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور وہ اتباع کریں مومنین کے راستے کے علاوہ کسی اور راستے کی۔ رسول کا ذکر، مومنین کا ذکر۔ رسول کی نافرمانی کریں اور مومنین کے راستے کو چھوڑ کر کسی اور کے راستے کا تعین کرلیں۔ تو رسول کے دور میں مومنین کون تھے؟ یہ صحابہ کرام تھے۔ اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے ایمان کو مثالی ایمان قرار دیا۔ تو اگر رسول کی نافرمانی کریں اور صحابہ کے راستے کو چھوڑ کر کسی اور کی راہ کو اپنائیں تو ﴿نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ جس راہ پر وہ چلا اس راہ کو ہم ان کے لیے دراز کردیں گے، ڈھیل دے دیں گے، رسی چھوڑ دیں گے کہ چلو کہاں تک چلتے ہو۔ جو چاہو کرتے پھرو لیکن ایک وقت آئے گا ﴿وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ﴾ اس کو اٹھا کر جہنم میں ڈال دیں گے۔ اس آیت کریمہ میں بھی صحابہ کے ایمان کو، ان کے طریقے کو، ان کے منہج کو مثال بنا کر پیش کیا۔ ایک اور مقام ملاحظہ ہو: اللہ پاک نے فرمایا: ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ (التوبة 100:9) دو گروہوں کا ذکر کیا۔ ایک مہاجرین کا ایک انصار کا۔ جنھوں نے مکہ چھوڑا اور مدینے آئے اور جنھوں نے مدینے میں مہاجرین کا استقبال کیا۔ اپنے گھروں کے دروازے کھول دیے اور ایثار کی عظیم مثالیں قائم کردیں۔ یہ دو گروہ ہیں۔ یہ دونوں صحابہ کے گروہ ہیں۔ صحابہ کی جماعتیں ہیں۔ فرمایا کہ یہ دو جماعتیں اور تیسری جماعت کون سی؟ ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ﴾ تیسری ان لوگوں کی

جماعت ہے جو ان کے نقش قدم کے پیروکار بنیں۔ ان کی اتباع کریں، ان کے منہج کو اپنائیں، ان جیسا ایمان لائیں، ان جیسا عمل کریں، ان جیسا عقیدہ ہو، ان جیسا منہج ہو، ان جیسے اخلاق ہوں، ان جیسا کردار ہو، ان جیسی معیشت ہو، ان جیسی تجارت ہو۔ فرمایا کہ تیسرا گروہ یہ ہے جو ان کا پیروکار بنے۔ کیا ہے ان کا حکم؟ ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ اللہ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ سے راضی ہیں۔ اللہ ان سے راضی کیوں ہے؟ انھوں نے عظیم قربانیاں دیں۔ ان کا عظیم الشان ایمان ہے، منہج انصار کا، مہاجرین کا اور ان کے اتباع کرنے والوں کا۔ لہٰذا اللہ ان پر راضی ہے۔ اور یہ اللہ سے راضی ہیں۔ یہ اللہ سے راضی کیسے ہوں گے؟ کہ اللہ کو جب یہ ملیں گے اللہ ان کو اتنا دے گا، اتنا نوازے گا کہ یہ خوش ہوجائیں گے۔ دنیا کے دکھ بھول جائیں گے۔ دنیا کے سپنے بھول جائیں گے۔ یہ طعنے اور سب وشتم بھول جائیں گے۔ اور یہ خون ریزیاں سب بھول جائیں گے اور اللہ کے دیے ہوئے انعامات پر یہ خوش ہوجائیں گے اور راضی ہوجائیں گے۔ تو اس مقام پر اللہ کی رضا منحصر ہے صرف تین جماعتوں کے بیچ میں۔ ایک انصار کی جماعت، دوسری مہاجرین کی اور تیسری ان کی جو ان کے نقش قدم کا پیروکار ہے۔

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام کا ایمان، ان کا عقیدہ اور منہج، ان کی سیاست اور خلق، ان کی معیشت، معاشرت یہ سب کے سب پوری امت کے لیے مثال ہیں۔ لہٰذا امت کا کوئی فرد امریکہ میں ہو، افریقہ میں ہو، ایشیا میں ہو، عربی ہو، عجمی ہو، مشرق میں ہو، مغرب میں ہو، شمال میں ہو، جنوب میں ہو، اگر وہ صحابہ کے منہج کا پیروکار ہے تو اللہ کی رضا کا مستحق ہے اور اگر وہ صحابہ کے منہج کا پیروکار نہیں ہے تو اللہ کے غضب اور اس کی لعنتوں کا مستحق ہے۔ یہ آیت کریمہ اس اہم نکتے کی نشان دہی کررہی ہے۔

چوتھے مقام پر فرمایا: ﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ کہ یہ لوگ اگر ایمان لائیں، کیسا؟ جیسا تم ایمان لائے ہو، مخاطب صحابہ ہیں۔ ان کا ایمان اگر ویسا ہو جیسا تمھارا ہے، یعنی صحابہ کا ہے۔ ﴿فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ پھر یہ ہدایت یافتہ ہیں۔ (البقرة 2:137) میری فہرست میں، میری لسٹ میں ہدایت یافتہ وہ ہے، ہدایت پر وہ ہے جس کا ایمان صحابہ کے ایمان جیسا ہو۔ تو اس اہم منہجی نکتے کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ ان تمام آیتوں کی تفسیر اور تشریح رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث ہے۔ یہ حدیث اگر ہم آج پلے باندھ لیں سارے اختلافات ختم ہوسکتے ہیں۔ منہج حق واضح ہوتا ہے۔ جنت کا پروگرام سمٹ کر ہمارے سامنے آسکتا ہے۔ بلکہ جنت ہمارے سامنے کھڑی ہے۔ اگر یہ حدیث ہمارے سامنے واضح ہوجائے، اس کو ہم سمجھ لیں۔ حدیث فِرَق کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت میں فرقوں کے وجود کی نشان دہی کی۔ اس میں فرمایا کہ یہودیوں کے اکہتر فرقے تھے۔ عیسائیوں کے بہتر فرقے تھے اور میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے۔ فرمایا: «كُلُّهُمْ فِي النَّارِ» سارے جہنمی ہیں۔ «اِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً» سوائے ایک کے۔ تہتر میں سے بہتر جہنمی ہیں صرف ایک جنتی ہے۔ صحابہ نے پوچھا: «مَنْ هِيَ يَارَسُولَ اللّٰهِ» یارسول اللہ ﷺ! وہ کون ہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَا أَنَا عَلَيهِ وَاَصْحَابِي» وہ لوگ ہیں جو اس چیز پر قائم ہوں جس پے آج میں اور میرے صحابہ قائم ہیں۔ (جامع الترمذي: 2641) میں سمجھتا ہوں کہ یہ حدیث قاطع النزاع ہے۔ اگر یہ ایک ہی حدیث ہوتی پوری کائنات کے سامنے اور اس کو اخلاص سے یہ لوگ سمجھ لیتے تو یہ ایک ہی حدیث تمام فرقوں کی نفی کردیتی ہے اور منہج حق واضح کردیتی ہے۔ کہ حق وہ ہے جو صحابہ کے پاس تھا۔ حق وہ ہے جس پر صحابہ قائم تھے۔ قرآن وحدیث واضح ہے۔ اور صحابہ کا منہج بھی واضح ہے۔ ان کا منہج قرآن وحدیث کے مطابق ہے۔ اب کوئی صحابی حنفی تھا؟ کوئی شافعی تھا؟ کوئی مالکی تھا؟ کوئی جعفری تھا؟ کوئی نقشبندی تھا؟ کوئی سہروردی تھا؟ یہ ساری باتیں صدیوں بعد پیدا ہوئیں۔ صحابہ اس سے مبرا تھے۔ صحابہ ان سے پاک تھے، ان سے دور تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اصحاب فرق آج صرف اس ایک حدیث پر غور کرلیں جو ساری ان قرآن کی آیتوں کی تفسیر ہے، سارے اختلافات، نزاعات، فرقے، سب ختم ہوجائیں گے اور جنت کا پروگرام نکھر کا ہمارے سامنے آجائے گا۔ سبحان اللہ۔ تو یہ ایک حدیث قاطع النزاع ہے۔ صحابہ کی رفعت، بلندی درجہ کہ ان کے ایمان کو مثالی ایمان قرار دیا۔ اور رہتی دنیا تک ایک فارمولا، ایک کلیہ چھوڑ دیا گیا۔ جو اس چیز پر قائم ہے جس پر صحابہ قائم تھے وہ جنتی گروہ

ہے باقی سارے جہنمی ہیں۔ اللہ کا خوف کرو اور اس حدیث کو سامنے رکھو۔ اس حدیث کی روشنی میں اپنے عقیدے کا، کردار کا، منہج کا تعین کرو کہ صحابہ کیا تھے؟ ان کا کردار کیا تھا؟ ان کا عقیدہ کیا تھا؟ روش کیا تھی؟ ان کی سیرت کا ملخص کیا ہے؟ نچوڑ کیا ہے؟ اعجاز کیا ہے؟ اسے سامنے رکھو۔ یہ کامیابی کا بڑا اقرب اور قوی راستہ ہے، قوی ترین راستہ ہے۔ صحابہ کی سیرتوں میں یہ سب سے اہم منہجی نکتہ ہے۔ یعنی بالکل ویسے بن جائیں جیسے صحابہ کرام تھے۔ اس لیے کئی محدثین کا قول ہے بعض سلف صالحین کے بارے میں کہ جب ہم ان کو دیکھتے ہیں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم نے اللہ کے پیغمبر کے کسی صحابی کو دیکھ لیا۔ کون لوگ ہیں یہ؟ یہ وہ لوگ ہیں جو منہج اصحابِ رسول کو سمجھتے ہیں اور ویسا بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ صحابہ کرام اپنی پوری زندگی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے پیروکار رہے۔ جو ان پر جرح کرتا ہے، ان پر تنقید کرتا ہے وہ خود جرح کے مستحق ہیں۔

ہاں صحابہ کی زندگی میں کچھ مشاجرات، کچھ تنازعات تھے۔ آپس میں جنگیں بھی ہوئیں، لڑائیاں ہوئیں، تنازعات کھڑے ہوئے، اس بارے میں امت کا موقف کیا ہونا چاہیے؟ منہج کیا کہتا ہے؟ «السّكُوتُ فِيمَا تَشَاجَرَ اَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ» اس میں خاموشی اختیار کریں۔ اس میں لچھے دار بحثیں کرنے کی بجائے خاموشی اختیار کریں۔ ﴿تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ﴾ یہ گروہ گزر چکا۔ (البقرة 141:2) انھوں نے جو عمل کیے وہ ان کے لیے۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کو برا نہیں کہہ سکتے۔ ان کے اختلافات کی ایک بنیاد تھی اور ان کا اپنا اجتہاد تھا۔ ایک موقف درست سمجھا اس پر ڈٹ گئے اور اس موقف کی خاطر لڑائی بھی ہوئی اور اس موقف کی خاطر قتال بھی ہوا۔ یہ ان کا اپنا اجتہاد تھا۔ اس اجتہاد کے تعلق سے اللہ کے پیغمبر کی ایک حدیث ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ» کوئی اجتہاد کرنے والا اجتہاد کرے اور درست کر جائے اس کے لیے دو اجر ہیں اور اگر وہ اجتہاد کرے اس میں غلطی کر جائے اس کے لیے ایک اجر ہے۔ (صحيح البخاري: 7352) تو صحابہ کرام کے درمیان جو تنازعات ہوئے اور بعض خصومات قائم ہوئیں وہ ان کے اجتہادی مسائل تھے۔ اس میں غلطی بھی ہوسکتی ہے اور درستگی بھی ہوسکتی ہے۔ جو اجتہاد درست کر گئے ان کے لیے دو اجر ہیں اور جو اجتہاد غلط کر گئے ان کے لیے ایک اجر ہے۔ امت کا یہ موقف ہونا چاہیے ان تنازعات کے بارے میں جو صحابہ کرام کے مابین قائم ہوئے یا کھڑے ہوئے۔ قرآن حکیم نے صحابہ کی تین قسمیں بیان کیں۔ اور تینوں قسموں کے بارے میں حکم لگایا۔

صحابہ تین قسم کے ہیں فرمایا: ﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا﴾ کہ فقراء مہاجرین، ہجرت کرنے والے، اللہ اس بات کا اعتراف کر رہا ہے۔ انھوں نے دین کی خاطر، ایمان کی خاطر اپنے گھر بار چھوڑ دیے، اپنے مال چھوڑ دیے بلکہ بعض نے اپنے خونی رشتے توڑ دیے۔ بیوی مسلمان ہے شوہر مسلمان نہیں ہے، بیوی شوہر کو چھوڑ کر آ گئی۔ بھائی مسلمان ہے دوسرا کافر ہے، بھائی بھائی کو چھوڑ کر آ گیا۔ بیٹا باپ کو چھوڑ کر آ گیا، باپ بیٹے کو چھوڑ کر آ گیا۔ اپنے رشتے توڑ دیے۔ اپنے مال چھوڑ دیے۔ اپنے گھر بار چھوڑ دیے۔ اسلام کی خاطر قوم برادری چھوڑ دی۔ اللہ اعتراف کر رہا ہے۔ فرمایا کہ ﴿يَنصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ پھر وہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے مددگار ہیں۔ دین کے مددگار تھے۔ اللہ کی وحی کے مددگار تھے۔ اور قرآن و حدیث کے مددگار۔ اور ان کی شان بیان کی اور آخر میں فرمایا: ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ﴾ یہ لوگ سچے ہیں۔ (الحشر 8:59) ان کی صداقت کا اللہ تعالیٰ نے اقرار کیا۔ ان کی صداقت کا اعتراف کیا کہ یہ لوگ سچے ہیں۔ یہ گواہی قیامت تک کے لیے محفوظ ہے۔ یہ ہیں مہاجرین صحابہ۔

دوسرے لوگ کون ہیں؟ انصار۔ فرمایا کہ ﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ﴾ دوسری جماعت وہ ہے جو ان مہاجرین کے مدینہ آنے سے پہلے ایمان اور دار یعنی مدینہ میں جگہ پکڑ چکے تھے۔ ایمان قبول کر چکے تھے اور مدینہ میں جگہ پکڑ چکے تھے۔ (الحشر 9:59) مدینہ اپنا وطن بنا چکے تھے۔ اس گھر میں قائم رہنا، اس گھر میں موجود رہنا، اس گھر کی سکونت اختیار کرنا، اس کو اپنے لیے عزت اور افتخار کا باعث بنا چکے تھے اور اللہ کے پیغمبر کے لیے کوشش کر رہے تھے کہ ہجرت کر کے مدینے آ جائیں۔ ان کے آنے سے پہلے ایمان کو

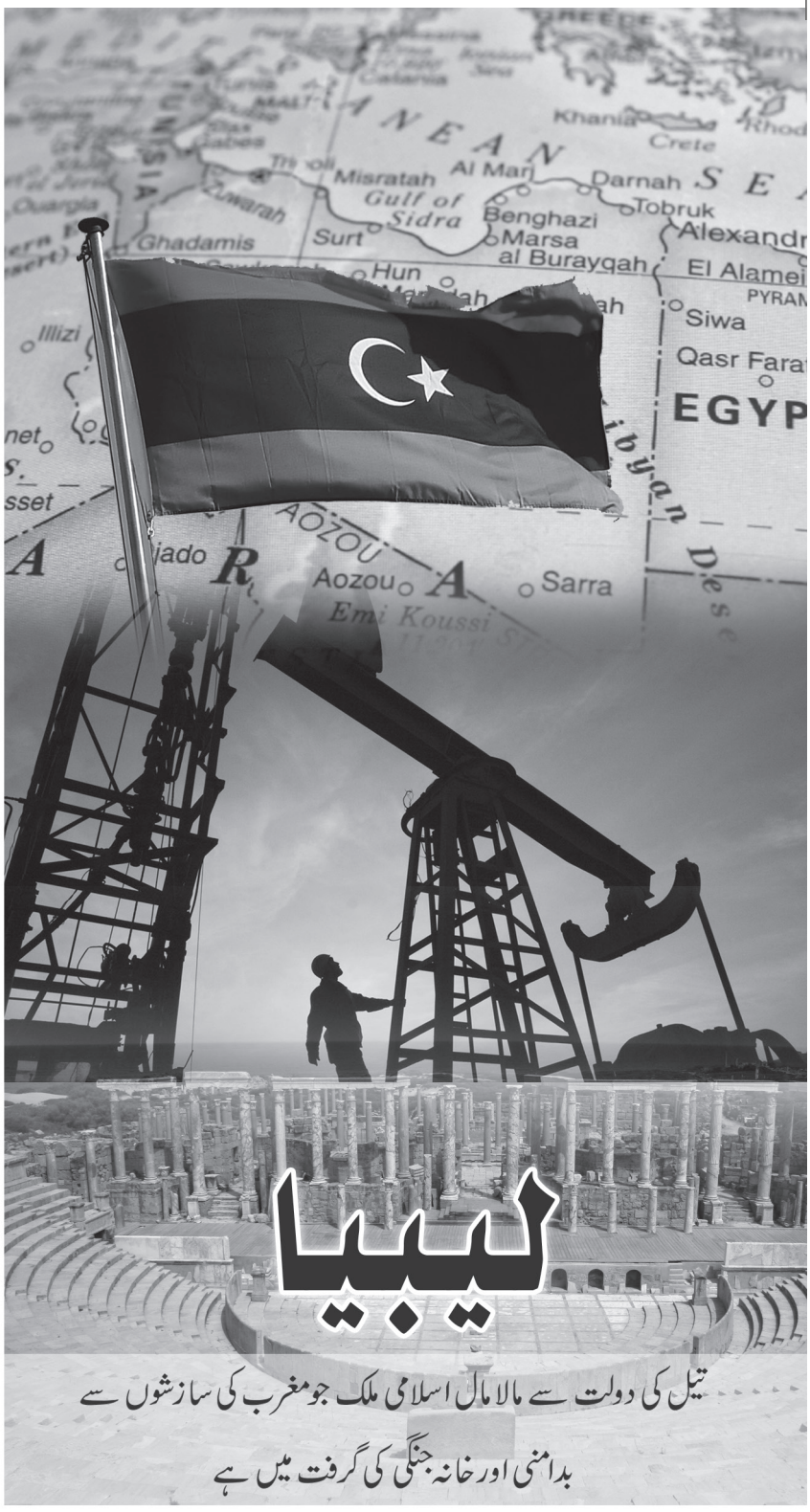
اپنے دلوں میں جگہ دے چکے تھے یہ قرآن کہتا ہے۔ اور یہ آنے والوں سے محبت کرتے تھے۔ ان مہاجرین پر انھوں نے ایثار کیا۔ اور پوری زندگی انھیں اپنے اوپر ترجیح دی۔ ان کو کھلایا، پلایا، تجارتوں میں شریک کیا۔ حتیٰ کہ اگر کسی کی دو بیویاں ہیں تو اپنے مہاجر بھائی کی خاطر ایک بیوی کو طلاق دینے پر تیار ہوگیا کہ اس سے نکاح کرلے۔ ایثار کی عجیب مثالیں ہیں۔ پوری زندگی قربانیاں دیں۔ خالی صفحہ اللہ کے پیغمبر کو دے دیا۔ آپ مدینے آجائیں، شرطیں جو چاہیں تحریر کریں۔ جو چاہیں شرائط لکھیں لیکن آپ مدینے آجائیں۔ پھر پوری زندگی اللہ کے پیغمبر کا دفاع کیا۔ اللہ کے پیغمبر کی حفاظت کی، صحابہ کرام پر جانیں قربان کردیں۔ انس بن مالک کا قول ہے کہ سب سے زیادہ قربانیاں انصار صحابہ نے پیش کیں۔ جنگ احد میں ستر صحابہ شہید ہوئے، اکثر انصاری تھے ایک دو کے علاوہ۔ اور پھر بئر معونہ کے موقع پر ستر صحابہ شہید ہوئے، قراء، وہ سب انصاری تھے۔ جنگ یمامہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں ستر صحابی شہید ہوئے سب کے سب انصاری تھے۔ انصار صحابہ کی سیرت کا اعجاز ہے۔ اور پوری زندگی اللہ کے نبی سے جب بھی طلب کیا دین طلب کیا۔ دنیا کبھی طلب نہیں کی۔ ایک موقع صرف آیا دنیا کی طلب کے لیے پہنچے۔ انصار کی ایک جماعت دنیا کی طلب کے لیے اللہ کے پیغمبر کے پاس گئی۔ نبی علیہ السلام نے چہروں کو دیکھا، بڑا خوش ہوئے۔ ان کے چہروں پر حاجت پڑھ لی، ضرورت پڑھ لی کہ یہ آج کچھ مانگنے آئے ہیں۔ ان کے چہروں پر کچھ سوال ہے۔ بڑا خوش ہوئے۔ فرمایا کہ جو سوال کرو گے پورا ہوگا۔ جو حاجت پیش کرو گے عطا ہوگی۔ جب انصار نے نبی علیہ السلام سے اتنی بڑی گارنٹی سنی تو دنیا کا موضوع بھول گئے۔ وہ موضوع کیا تھا کہ اللہ کے نبی دعا کردیں کہ اللہ تعالیٰ مدینے شہر سے پانی کے چشمے جاری کردے، پانی دور ہے، پانی لانے میں ہمیں تکلیف ہوتی ہے۔ مدینے شہر سے پانی کے چشمے جاری ہوجائیں تاکہ ہمارے باغ قریب سے سیراب ہوجائیں۔ یہ سوال کرنے آئے تھے۔ لیکن نبی علیہ السلام کی زبان سے اتنی بڑی گارنٹی سنی تو دنیا کا یہ معاملہ بھول گئے اور کیا سوال کیا؟ یارسول اللہ! ہماری ایک ہی حاجت ہے! ایک ہی طلب ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ دعا کردیں کہ اللہ ہمارے گناہوں کو معاف کردے، یہ انصار صحابہ ہیں۔ اللہ کے نبی نے دعا کردی: «اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَلِأَبْنَاءِ الْأَنْصَارِ وَلِأَبْنَاءِ أَبْنَاءِ الْأَنْصَارِ» یا اللہ! انصار کو معاف کردے، انصار کے بیٹوں کو معاف کردے، انصار کے پوتوں کو معاف کردے۔ انصار نے کہا: «وَلِمَوَالِينَا» یارسول اللہ! ہمارے غلاموں کے لیے بھی دعا کردیں۔ فرمایا کہ «وَلِمَوَالِي الْأَنْصَارِ» یا اللہ! انصار کے غلاموں کو بھی معاف کردے۔ (صحيح مسلم: 2506) رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «آيَةُ الْإِيمَانِ حُبُّ الْأَنْصَارِ» انصار کی محبت ایمان کی نشانی ہے۔ (صحيح البخاري: 17) اسی لیے جب نبی علیہ السلام کے انتقال کی گھڑی آگئی، انصاری صحابہ مسجد میں جمع ہوگئے، اکٹھے ہوگئے اور گھر سے آنے والوں جو اللہ کے نبی کو دیکھ کر آتے ان سے پوچھتے کہ پیغمبر علیہ السلام کا کیا حال ہے؟ اور انصار صحابہ مسجد میں جمع ہوکر رو رہے ہیں۔ نبی علیہ السلام کو اطلاع دی گئی کہ انصار صحابہ سے مسجد بھری ہوئی ہے۔ اور سب کے سب پریشانی میں رو رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو بڑی نقاہت تھی۔ بڑی کمزوری تھی۔ لہٰذا آپ نے غسل فرما کر فرمایا کہ مجھے سہارا دے کر مسجد میں پہنچا دو۔ ابن عباس نے ایک دفعہ پوچھا: آج کیا دن ہے؟ لوگوں نے کہا: جمعرات۔ رو پڑے۔ کہا کیوں روتے ہو؟ کہا کہ «وَمَا يَوْمُ الْخَمِيسِ» تمھیں کیا معلوم جمعرات کیا ہے؟ «اشْتَدَّ بِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَجَعُهُ» آج کے دن اللہ کے پیغمبر کا مرض سخت ہوگیا۔ وہ آخری بار جب ہم نے اللہ کے پیغمبر کو منبر پر چڑھے ہوئے دیکھا، یہ آخری بار چڑھے تھے۔ آپ مسجد میں آگئے۔ سرخ پٹی آپ کے سر پر لپٹی ہوئی ہے۔ اور آپ منبر پر آکر بیٹھ گئے۔ آکر چند جملے ارشاد فرمائے، خطبہ دیا، فرمایا کہ «أُوصِيكُمْ بِالْأَنْصَارِ فَإِنَّهُمْ كَرِشِي وَعَيْبَتِي» میں تمھیں وصیت کرنے آیا ہوں کہ انصار کا خیال رکھنا، اچھے سلوک سے پیش آنا۔ ان کا خیال رکھنا۔ «فَإِنَّهُمْ كَرِشِي وَعَيْبَتِي» یہ دنیا میں میرے بڑے باوفا اور رازدار ساتھی تھے۔ میرے دل کے ساتھی تھے۔ بڑے باوفا ساتھی تھے۔ «قَدْ قَضَوا الَّذِي عَلَيْهِمْ وَبَقِيَ الَّذِي لَهُم» جو ان کے فرائض تھے انھوں نے خوب ادا کردیے، ان کے حقوق باقی رہ گئے ہیں وہ تم ادا کرو۔ (صحيح البخاري: 3799) ان کی حق تلفی نہ کرنا، اپنے فرائض سارے ادا کردیے، اللہ کے پیغمبر کی مدد کردی، نصرت کردی، صحابہ

پر ایثار کر دیا، پوری زندگی قربانیاں دیتے گئے، فرائض ادا ہوگئے، حقوق تم ادا کرنا، یہ انصار کی جماعت بڑی رازدان جماعت ہے، یہ میرے دل کی ساتھی ہے۔ اسی لیے ایک موقع پر جب ایک انصاری نے سبقت لسانی میں اور تیزی میں آکر کہہ دیا کہ نبی علیہ السلام نے حنین کا مال غنیمت اپنی قوم کو دے دیا ہمیں چھوڑ دیا۔ ہماری تلواروں میں آگے تک حنین کے کفار کا خون لگا ہوا ہے، مال غنیمت ہم نے اکٹھا کیا، جہاد ہم نے کیا، ان کو قتل ہم نے کیا اور مال غنیمت اللہ کے پیغمبر نے اپنی قوم کو دے دیا۔ مکہ کے نومسلموں کو دے دیا۔ یہ ایک نوجوان کی زبان سے جملہ نکلا۔ بڑا پریشان کن۔ نبی علیہ السلام کو بڑا افسوس ہوا۔ ایک قبے میں انصار صحابہ کو جمع کرلیا۔ اور جمع کر کے فرمایا کہ یہ تم نے کیا بات کہہ دی، انھوں نے کہا: یارسول اللہ! ہم نے نہیں کہا۔ یہ ایک نوجوان کی بات ہے، یہ پورے انصار کی بات نہیں ہے۔ یہ اس کی ذاتی بات ہے جو تیزیِ زبان میں ادا ہوگئی۔ اور وہ پشیمان ہے، نادم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَلَم اَجِدْكُمْ ضُلَّالًا فَهَدَاكُمُ اللّٰهُ» میرے سوال کا جواب دو کہ جب میں تمھارے پاس آیا کیا تم گمراہ نہیں تھے؟ تمھیں اللہ نے ہدایت دی میرے ذریعے۔ «اَلَمْ اَجِدْكُمْ عَالَةً فَاَغْنَاكُمُ اللّٰهُ بِي» تم فقیر تھے تمھیں اللہ نے غنی کر دیا اور مال دار کر دیا میرے ذریعے۔ جنگیں ہوئیں، فتوحات ہوئیں، غنیمت کے مال آئے، تقسیم ہوئے اور تم مالا مال ہوگئے۔ انصار افسوس بھی کر رہے ہیں، ساتھ ساتھ کہہ رہے ہیں: «اللّٰهُ وَرَسُولُهُ اَمَنُّ» اللہ اور رسول کے بڑے احسانات ہیں، اللہ اور رسول کے بڑے احسانات ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں، تم ایک بات کہہ سکتے ہو کہ آپ بھی تو ہمارے پاس آئے تھے دھتکارے ہوئے، آپ کی قوم نے آپ کو نکال دیا ہم نے آپ کو جگہ دی، ہم نے آپ کی عزت کی، ہم نے آپ کو کھلایا اور پلایا۔ تم یہ کہہ سکتے ہو، لیکن اے انصار! میں تم سے ایک بات کہنے والا ہوں جو تم سے چھپائے رکھی۔ بات یہ ہے کہ «أَلَا تَرْضَوْنَ أَنْ يَذْهَبَ النَّاسُ بِالشَّاةِ وَالْبَعِيرِ وَتَذْهَبُونَ بِالنَّبِيِّ ﷺ إِلَى رِحَالِكُمْ» تمھیں یہ بات خوش نہ کرے گی کہ یہ لوگ اپنے گھروں میں جائیں، بکریاں لے کر، اونٹ لے کر، گائے لے کر، چاندی اور سونا لے کر اور تم لوگ اپنے گھروں میں جاؤ اللہ کے پیغمبر کو لے کر؟ «لَو سَلَكَ النَّاسُ وَادِياً وَشِعْبًا لَسَلَكْتُ وَادِيَ الْاَنْصَارِ وَشِعْبَهُمْ» اگر یہ لوگ ایک راہ پر چلیں اور انصار دوسری راہ پر چلیں تو میں ان کو چھوڑ کر انصار کے پیچھے جاؤں گا، انصار کی راہ پر چلوں گا۔ فرمایا کہ «اَلْاَنْصَارُ شِعَارٌ وَالنَّاسُ دِثَارٌ» باقی لوگ میرے اوپر کے کپڑے کی مانند ہیں اور انصار میرے لیے اندر کے کپڑے کی مانند ہیں جو بدن کے ساتھ چپٹا ہو۔ (صحيح البخاري:4330، وصحيح مسلم:1061)

یہ انصار صحابہ کا ایمان ہے۔ یہ ان کا عقیدہ، ان کا منہج، ان کا ایثار ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے تمام جماعتوں کی تعریف کی۔ مہاجرین بھی آگئے۔ انصار بھی آگئے اور کچھ صحابہ وہ تھے جو بعد میں پیدا ہوئے۔ بعد میں آئے۔ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ جَاءُ وا مِنْ بَعْدِهِمْ﴾ جو لوگ بعد میں آئے وہ کیا کہتے ہیں: اے اللہ! ہمارے ان بھائیوں کو معاف کر دے جو ہم سے ایمان میں سبقت لے گئے۔ (الحشر10:59) معنی ایمان دار یہ بھی ہیں لیکن وہ لوگ ایمان میں سبقت لے گئے۔ ان کو بھی معاف کر دے۔ تو یہ تینوں جماعتیں صحابہ کی۔ یہ صحابہ یا انصار ہیں یا مہاجرین ہیں یا بعد میں آنے والے۔ اللہ نے تینوں کا ذکر کیا۔ ایمان کے ساتھ ذکر کیا۔ ان کے لیے گواہیاں دیں صداقت کی اور کامیابی کی۔ جو ان پر تبرا کرے گا۔ یہ آج کل محرم کے دن باطنی طور پر بڑا تبرا کیا جا رہا ہے۔ سب وشتم کیا جا رہا ہے حقیقت میں وہ لوگ خود جرح کے قابل ہیں۔

یہ کچھ منہجی نکتے تھے جو صحابہ کی سیرتوں کے بارے میں میں نے عرض کر دیے اور سب سے بڑی بات یہ واضح ہوتی ہے کہ آج بحمداللہ منہج حق اور مسلک حق جماعت اہلحدیث کے پاس ہے کیونکہ صحابہ کے منہج کے پیروکار صرف اہلحدیث ہیں۔ صحابہ کرام نے نہ کسی امام کی پیروی کی، نہ کسی کی تقلید کی۔ نہ کوئی درگاہ تھی، نہ کوئی خانقاہ تھی۔ ایک اللہ کے پیغمبر کی شخصیت تھی جن کی اطاعت کرتے تھے۔ ایک ہاتھ میں قرآن اور ایک ہاتھ میں اللہ کے پیغمبر کی سنت اور اللہ کے پیغمبر کی حدیث۔ بحمداللہ اس منہج کے ہم پیروکار ہیں، اس منہج کے ہم حاملین ہیں۔ وہ ذاتی غلطیاں جو ہم میں پائی جاتی ہیں اللہ تعالیٰ ان سے رجوع کرنے اور توبہ تائب ہونے کی توفیق عطا فرمادے۔ وَاَقُولُ قَولِي هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُاللّٰهَ لِي وَلَكُمْ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.



لیبیا

تیل کی دولت سے مالا مال اسلامی ملک جو مغرب کی سازشوں سے بدامنی اور خانہ جنگی کی گرفت میں ہے

محسن فارانی

لیبیا شمالی افریقا میں واقع ایک بڑا اور اہم اسلامی ملک ہے۔ اس کے شمال میں بحیرۂ روم، مشرق میں مصر، جنوب مشرق میں سُودان، جنوب میں چاڈ اور نائیجر جبکہ مغرب میں الجزائر اور تونس واقع ہیں۔ لیبیا براعظم افریقا کا رقبے کے لحاظ سے چوتھا سب سے بڑا ملک ہے، جبکہ دنیا میں اس کا نمبر سترھواں (17) ہے۔ یونانیوں نے شمالی افریقا کے اس حصے کے لیے لفظ ''لیبو'' استعمال کیا تھا۔ لیبیا نام اس سے نکلا ہے۔

رقبہ اور آبادی

لیبیا کا رقبہ 17,59,540 مربع کلومیٹر اور آبادی تقریباً 63 لاکھ ہے۔ 70 فیصد ملکی آبادی شہروں میں بستی ہے۔ سکہ لیبی دینار ہے۔ ملکی پرچم سبز مستطیل پر مشتمل ہے۔

لیبیا کی قدیم تاریخ

اس علاقے کو سب سے پہلے بربر قبائل نے آباد کیا تھا۔ 1000 قبل مسیح کے لگ بھگ ساحل شام سے آنے والے فنیقیوں (Phoenicians) نے لیبیا کے ساحل پر کئی شہر بسائے جن میں ٹریپولی (طرابلس) اہم ترین تھا۔ انھوں نے لیبیا کے مشرقی علاقے کو سری نیکا (Cyrenaica) کا نام دیا۔ ساتویں صدی ق م میں مغربی حصے پر یونانیوں نے قبضہ کرکے اس کو ٹریپولی ٹانیا (Tripolitania) کے نام سے موسوم کردیا۔ یونانی دور میں برقہ (سری نیکا) میں یونانیوں نے پانچ شہر بسائے جو پنٹا پولس (Pentapolis، عربی میں انطابلس) کہلائے: سرنہ یا قرنہ (Cyrene)، اپولونیا (مرسیٰ سوسہ)، برقہ یا برکہ (Barke، موجودہ المرج)، یوہسپر یڈس (برنیک یا برنیق، موجودہ بن غازی) اور تیوچرہ (طوکرہ)۔ اسی زمانے میں شاہِ مصر بطلیموس کے عہد میں طلمیثہ (Ptolemais) اور درنہ (Dornis) نامی شہر آباد ہوئے۔



ٹریپولی ٹانیا کچھ عرصے تک قرطاجہ یا قرطاجنہ (تونس) کے زیرتسلط بھی رہا، قرطاجہ کے جرنیل ہنی بال نے دوسری فنیقی جنگ (Punic War) کے دوران (218 تا 202ق م) میں روم پر حملہ کیا۔ پھر یہاں رومی آ گئے۔ رومی دور 146ق م سے 436ء تک رہا۔ اس کے بعد یورپ سے آنے والی ونڈال قوم نے اسے تباہ و برباد کردیا (اسی قوم کے نام پر سپین کو اندلوسیہ (اَندلُس) کہا گیا)۔ چھٹی صدی عیسوی میں لیبیا بازنطینی رومی سلطنت کا حصہ بنا۔ عربوں نے سری نیکا کو برقہ کا نام دیا۔ انجیل (کتاب مقدس) میں صلیبِ مسیح کو بطور بیگار اٹھا کر لے جانے والے شخص شمعون (Simon) کا ذکر کُرینی آدمی (Man from Cyrene) کے نام سے آیا ہے۔ جسے کیتھولک بائبل (کلام مقدس) کے مترجم نے ''قیروانی'' لکھا ہے جبکہ قیروان ساڑھے چھ سو سال بعد سیدنا عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے آباد کیا۔

لیبیا اسلامی دور میں

642ء میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں برقہ (سری نیکا) اور طرابلس (Triboli) مسلمانوں نے فتح کرلیے۔ برقہ اور طرابلس (23ھ/644ء) میں فاتح مصر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں فتح ہوئے۔ بعد میں خلافت عثمان میں سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ اور خلافت معاویہ (49ھ) میں عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے لیبیا کی فتح کی تکمیل کی۔ لیبیا اموی، عباسی اور فاطمی (عبیدی) خلافتوں میں شامل رہا۔ پھر زیری سلطنت کے بعد صقلیہ (سسلی) کے نارمن مسیحی (58-1146ء) یہاں قابض رہے۔ پھر موحدین اور بنوحفص حکمران رہے۔ 30-1510ء میں ہسپانوی اور پھر مالٹا کے مسیحی طرابلس پر مسلط رہے حتی کہ 1551ء میں عظیم عثمانی امیرالبحر سنان پاشا، طرغود پاشا اور مراد نے طرابلس فتح کرکے اسے عثمانی سلطنت میں شامل کردیا۔ مسجد احمد پاشا اور مسجد مولای محمد (طرابلس) اور مسجد مراد آغا (تاجورہ) عثمانی عہد کی یاد دلاتی ہیں۔ انیسویں صدی عیسوی میں ابوعبداللہ محمد سنوسی (متوفی 1859ء) نے الزاویۃ البیضاء (مشرقی لیبیا) میں صوفی طریقۂ سنوسیہ کی بنیاد رکھی۔ البیضاء شہر سوسہ اور طلمیثہ کے درمیان واقع ہے۔

خودمختاری اور دوسرا عثمانی دور

1711ء سے 1835ء تک لیبیا پر قرہ مانلی خاندان برسرِاقتدار رہا۔ اس کے بانی احمد قرہ مانلی (45-1711ء) کا زمانہ امن و امان اور اقتصادی خوشحالی کا دور تھا۔ طرابلس کے حالات بگڑے تو 1835ء میں عثمانی خلیفہ محمود ثانی نے ایک فوجی مہم بھیجی اور طرابلس دوبارہ سلطنت عثمانیہ میں شامل کرلیا گیا۔

امریکہ کا پہلی غیرملکی حملہ

امریکہ نے پہلا غیرملکی حملہ 1803ء میں طرابلس کی بندرگاہ پر اس بہانے سے کیا تھا کہ طرابلس بحری ڈاکوؤں کا مرکز بن گیا ہے۔ یہ ایک خودکش سمندری حملہ تھا۔ دس کے قریب امریکی فوجی ایک بحری کشتی میں بارود بھر کر طرابلس کی بندرگاہ میں ایک عثمانی جہاز سے جا ٹکرائے اور اسے تباہ کردیا۔ انھی دنوں بندرگاہ طرابلس میں امریکی جہاز فلاڈلفیا کو آگ لگادی گئی۔

اطالوی تسلط

1911ء میں ترکی اور اٹلی میں جنگ چھڑ گئی۔ عثمانی ترک اس وقت معاشی اور سیاسی مسائل کا شکار ہونے کے باعث خاصے کمزور ہوچکے تھے۔ ان باتوں کا اٹلی نے فائدہ اٹھایا اور اطالوی فوجیں طرابلس میں داخل ہوگئیں۔ لیبیا کے غیور عوام نے زبردست مزاحمتی جنگ کا آغاز کردیا۔ علامہ اقبال نے فاطمہ بنت عبداللہ کے عنوان سے نظم میں ایک مجاہدہ لڑکی کو خراجِ تحسین پیش کیا جو غازیوں کو طرابلس کی جنگ میں پانی پلاتے ہوئے شہید ہوئی۔ علامہ نے فاطمہ کو ''آبروئے اُمّتِ مرحوم'' اور ''حورِ صحرائی'' کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔

فاطمہ! تو آبروئے اُمّتِ مرحوم ہے!
ذرّہ ذرّہ تیری مشتِ خاک کا معصوم ہے
یہ سعادت حورِ صحرائی تری قسمت میں تھی
غازیانِ دیں کی سقائی تری قسمت میں تھی

1914ء تک اٹلی لیبیا پر مکمل قابض ہوچکا تھا۔ 1934ء میں ٹریپولی ٹانیا اور سری نیکا کو ملا کر اسے لیبیا کا نام دے دیا گیا۔

عمر مختار

عمر مختار لیبیا کے عظیم گوریلا لیڈر تھے۔ انھوں نے اپنی صحرائی فوج کے ساتھ اطالوی غاصبوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اٹلی نے صحرائی فوج پر اندھا دھند ہوائی حملے کیے۔ بے شمار مجاہدین اور معصوم لوگ شہید ہوگئے۔ ظالم



اطالویوں نے عربوں کو سزا دینے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ انھیں ہوائی جہاز پر سوار کر کے اوپر لے جاتے اور فضا سے نیچے گرا دیتے۔ آخر کار 1931ء میں عمر مختار کو گرفتار کر کے اطالویوں نے پھانسی دے دی۔ ہالی وڈ کی فلم ''لائن آف دی ڈیزرٹ'' (شیرِ صحرا) میں انتھونی کوئین نے عمر مختار کا کردار ادا کر کے عالمی شہرت حاصل کی۔

لیبیا اور جنگ عظیم دوم

1940ء میں اٹلی نے لیبیا سے مصر پر حملہ کر دیا۔ جوابی کارروائی کرتے ہوئے برطانوی فوجوں نے اٹلی کو واپس لیبیا میں دھکیل دیا اور سری نیکا پر قبضہ کر لیا۔ اس پر جرمن فوجیں اٹلی کی مدد کو آئیں اور اٹلی نے دوبارہ سری نیکا پر قبضہ کر لیا۔ تاہم جنوری 1943ء میں برطانوی جنرل منٹگمری نے اطالویوں اور جرمنوں کو لیبیا سے نکال دیا۔ جنگ عظیم میں جرمنی اور اٹلی کی شکست کے بعد لیبیا کو اقوام متحدہ نے برطانیہ اور فرانس کے حوالے کر دیا۔ سری نیکا اور طرابلس کے صوبے برطانیہ کو اور فزان (جنوبی لیبیا) فرانس کو ملا۔

لیبیا کی آزادی

دوسری جنگ عظیم میں لیبیا کے عربوں اور سنوسی خاندان نے اس بنا پر اتحادیوں کی امداد کی تھی کہ جنگ کے بعد ان کا ملک آزاد کر دیا جائے گا، چنانچہ اختتام جنگ (1945ء) پر یہ مسئلہ اقوام متحدہ میں اٹھایا گیا۔ 21 نومبر 1949ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ایک قرارداد منظور کی۔ اس کے تحت اعلان کیا گیا کہ لیبیا کو جنوری 1952ء تک مکمل آزادی دے دی جائے گی۔ 24 دسمبر 1951ء کو لیبیا متحدہ سلطنت کی حیثیت سے دنیا کے نقشے پر اُبھرا۔ شاہ محمد ادریس سنوسی اس کے آئینی بادشاہ مقرر ہوئے۔ 20 جنوری 1952ء کو لیبیا کو مکمل آزادی مل گئی۔

تیل کی دریافت

تیل کی دریافت تک لیبیا ایک غریب اور پسماندہ ملک تھا۔ 1958ء میں یہاں پیٹرولیم کے وسیع ذخائر دریافت ہوئے تو دنیا بھر کی نگاہیں لیبیا پر لگ گئیں۔ تیل کی دریافت کا سہرا برطانوی کمپنی ایسو (موجودہ ایکسون موبیل) کے سر رہا۔

کرنل قذافی کا دور

آزادی کے بعد شاہ ادریس نے ملک کی فلاح و بہبود کی بجائے اپنی بادشاہت کو مضبوط کرنے پر توجہ دی۔ تیل کے وسیع ذخائر کو انھوں نے ذاتی جاگیر سمجھ لیا اور غیر ملکیوں کو بہت سی مراعات دے دیں۔ اس پر کرنل قذافی اور ان کے ہم خیال افسروں نے ستمبر 1969ء میں شاہ ادریس کا تختہ الٹ دیا۔ کرنل قذافی نے وزارت عظمیٰ سنبھال لی، پھر چند سال بعد وہ صدر مملکت بن گئے۔ 1975ء میں قذافی کی کتاب الاخضر شائع ہوئی اور 1977ء میں ملک کا نام ''الجماهيرة العربية الليبية الشعبية الاشتراكية'' رکھ دیا گیا۔ اسی سال 1975ء کی ناکام بغاوت کے 22 افسر گولیوں سے اڑا دیے گئے۔ 1980ء کی دہائی میں قذافی نے ہمسایہ ملک چاڈ کی گروہی جنگ میں بے جا مداخلت کی اور روس سے حاصل کردہ اربوں کا اسلحہ وہاں جھونک دیا۔ جب کئی سال بعد قذافی کا گھوڑا گوکونی عویدی ہار گیا تو قذافی اوزو کی پٹی (چاڈ) سے اپنی فوج واپس بلانے پر مجبور ہو گئے۔ اسی طرح شمالی آئرلینڈ کی گوریلا تنظیم کو اسلحے کی فراہمی بھی ایک بے جا مہم تھی۔ کرنل قذافی نے تیل کے ذخائر سے حاصل ہونے والی آمدنی کو عوام کی فلاح پر خرچ کیا اور کئی اچھی اصلاحات نافذ کیں۔ لیبیا قرضوں سے پاک ملک تھا۔ فی کس آمدنی 11 ہزار ڈالر سے بڑھ گئی۔ یونیورسٹی وظائف اور روزگار پروگرام کے لیے مالی امداد دی جاتی تھی۔ صحرائے اعظم سے عظیم انسانی ساختہ دریا کے ذریعے زیر زمین صحرائی پانی ساحلی شہروں تک پہنچایا گیا۔ یہ دنیا میں سب سے زیادہ بڑا اور طویل ترین انسانی ساختہ دریا ہے۔ تاہم قذافی نے جمہوری اقدار کو بالکل فروغ نہ دیا اور ڈکٹیٹر (آمر) بن گئے۔ اس دوران میں فلسطینیوں کی حمایت کرنے پر امریکا کے ساتھ لیبیا کا جھگڑا ہوا۔ 1986ء میں امریکا نے بمباری کر کے لیبیا کے دو بحری جہاز ڈبو دیے اور طرابلس اور بن غازی پر فضائی حملے بھی کیے۔ طرابلس پر حملے میں قذافی کی سوتیلی بیٹی شہید ہو گئی، تاہم امریکا کی یہ کوشش کہ کرنل قذافی کو ہٹا دیا جائے ناکام رہی۔

نواز شریف کی قذافی سے عجب ملاقات

1991ء میں وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف خلیجی جنگ (کویت) رکوانے کی مہم پر نکلے۔ پہلا پڑاؤ طرابلس تھا۔ ہوائی اڈے پر ایک وزیر



نے استقبال کیا۔ رات گیارہ بجے کے بعد سرکاری میٹنگ شروع ہوئی جس میں لیبیا کے ایک وزیر شریک ہوئے مگر ''گریٹ لیڈر'' نہ آئے۔ اگلے روز ایک کثیر منزلہ عمارت میں میاں صاحب کی ریفریشمنٹ سے تواضع کی گئی۔ پھر گاڑیوں کا قافلہ چلا۔ دس منٹ کی ڈرائیو کے بعد قافلے کی کچھ گاڑیاں دائیں طرف مڑ گئیں۔ آخر میں نواز شریف کے ملٹری سیکرٹری کو بھی الگ گاڑی میں بٹھا دیا گیا۔ اب میاں صاحب کے ساتھ صرف لیبی پروٹوکول افسر تھے۔ خاصی دیر بعد نواز شریف کی گاڑی ایک خیمے کے سامنے رکی جس کے سامنے فٹ بال گراؤنڈ تھا۔ انھیں خیمے کے اندر لے جایا گیا جہاں کچھ صوفے پڑے تھے۔ کچھ دیر بعد ایک شخص کمبل اوڑھے خیمے کے دوسرے حصے سے نمودار ہوا۔ پروٹوکول افسر نے اعلان کیا کہ گریٹ لیڈر آ گئے ہیں۔ میاں صاحب نے بعد میں بتایا کہ دیگر باتوں کے علاوہ کرنل قذافی نے گلہ کیا کہ ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی کیوں دی گئی۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ مولانا فضل الرحمٰن ان کے آدمی ہیں، ان کی طرف سے کوئی مسئلہ ہو تو بتائیں، وہ اسے حل کر دیں گے۔ پورے دورے کے دوران میں ''سکیورٹی'' کا اتنا زبردست انتظام تھا کہ ایک بھی سرکاری اہلکار اسلحے سے لیس نظر نہیں آیا اور نہ کوئی وردی میں تھا۔

''شہنشاہ افریقہ'' کا واک آؤٹ

30 مارچ 2009ء کو قذافی نے عرب سربراہ کانفرنس (قاہرہ) سے خطاب کرتے ہوئے دعویٰ کیا: ''میں ایک بین الاقوامی رہنما، عرب حکمرانوں کا صدر نشین، افریقہ کا شہنشاہ اور مسلمانوں کا امام ہوں اور میرا عالمی مرتبہ مجھے نیچے آنے کی اجازت نہیں دیتا۔'' اس کے بعد قذافی کانفرنس سے واک آؤٹ کر گئے کیونکہ ان کا مائیکروفون بند کر دیا گیا تھا۔

امریکہ سے تعلقات کی بحالی

سانحہ نائن الیون کے بعد قذافی نے مرعوب ہو کر اپنی ایٹمی تنصیبات امریکی اہلکاروں کے لیے کھول دیں اور وہ لاکھوں ٹن کا ایٹمی سامان اٹھا لے گئے۔ پھر 2006ء میں اس ''مردِ آہن'' نے امریکہ سے سفارتی تعلقات بحال کر لیے۔

قذافی اور خواتین

شروع میں قذافی اس نظریے کا حامی تھا کہ عورتوں کا اصل مقام گھر ہے، چنانچہ جولائی 1975ء میں اس نے امریکی جریدہ ''ٹائم'' کو انٹرویو دیتے ہوئے عورت کی فطری کمزوریوں اور مجبوریوں کے حوالے سے کہا تھا: ''تمھارے آزادیٔ نسواں کے نعرے کی رو سے تو اگر حاملہ عورتوں کو پیراشوٹ سے کودنے کو کہا جائے تو تمھیں اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔'' لیکن پھر اسی قذافی نے کنواری نوجوان لڑکیوں پر مشتمل اپنی حفاظتی گارد تیار کر لی تھی۔

جغرافیائی خدوخال

لیبیا کا 92 فیصد رقبہ صحرا پر مشتمل ہے جو صحرائے لیبیا کہلاتا ہے۔ ملک کا صرف 2 فیصد رقبہ زیرِ کاشت ہے۔ یہاں گرمیوں میں شدید گرمی پڑتی ہے۔ بارشیں بہت کم ہوتی ہیں۔ صحرا میں کئی جگہ واقع نخلستانوں میں موسم کسی حد تک سبزے کی وجہ سے خوش گوار ہوتا ہے۔ تاہم ساحلی علاقوں میں آب و ہوا سمندر کی وجہ سے مرطوب ہے جہاں اوسط درجہ حرارت 13 سینٹی گریڈ ہے۔ رومی خطے میں شامل یہ ساحلی پٹی زرخیز ہے، چنانچہ لیبیا کے بڑے بڑے شہر یہیں واقع ہیں۔ یہاں جبل الاخضر کا علاقہ سرسبز ہے جس کی بلند ترین چوٹی 868 میٹر بلند ہے۔ اس کے شمال میں سرنہ یا قرنہ (Cyrene) کے کھنڈر ہیں۔ جنوب میں صحرائے اعظم کے اندر سطح مرتفع تبستی کی چوٹی 3152 میٹر بلند ہے۔ لیبیا کے مشہور نخلستان (Oases) واحہ جالو، واحہ جغبوب اور واحات الکفرہ ہیں جبکہ کلنسیو الرملی الکبیر اور بحر رمال ربیانہ بڑے ریگستان ہیں۔

صحرائے لیبیا (Libyan Desert)

صحرائے لیبیا مشرق تا مغرب 1100 کلومیٹر طویل ہے۔ دراصل یہ دنیا کے سب سے بڑے ریگستان صحرائے اعظم (The Sahara) کا ایک حصہ ہے۔ اس صحرا کو احمد حنین نامی ایک مصری مہم جو نے 1924ء میں عبور کیا اور اس کا مستند نقشہ تیار کیا۔ اس کے کچھ علاقے ایسے ہیں جہاں اتنے ریتلے طوفان آتے ہیں کہ صحرائی کارواں راستہ بھٹک کر کہیں سے کہیں جا نکلتے ہیں۔ اس صحرا میں افریقا کی سب سے پرانی مٹی سے بنی ہوئی مسجد عتیق (اوجلہ میں) واقع ہے۔

کرنل قذافی لاہور میں

فروری 1974ء میں کرنل قذافی نے لاہور



میں دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس میں شرکت کی اور ایک عوامی جلسے میں پرجوش تقریر کی۔ پھران کے نام پر قذافی سٹیڈیم کا نام رکھا گیا۔

مصروسودان سے تعلقات

1977ء کے اواخر میں لیبیا اور مصر میں چار روزہ سرحدی جنگ ہوئی جو الجزائر کے صدر حوری بومدین کی مداخلت سے ختم ہوئی۔ اس سے پہلے قذافی کبھی مصر اور کبھی سودان کو اتحاد و انضمام کی پیشکش کرتے رہے تھے۔ قذافی نے سودان کے باغی لیڈروں کا طیارہ لیبیا میں اتار کر سودانی صدر جعفر نمیری کے خلاف فوجی انقلاب ناکام بنادیا تھا۔

پان امریکن طیارے کی تباہی

عشرہ 1980ء کے اواخر میں ایک مسافر بردار طیارہ (پان ایم) لاکربی (برطانیہ) کی فضا میں تباہ کردیا گیا۔ اس حادثے میں 271 افراد ہلاک ہوئے۔ تحقیقات سے انکشاف ہوا کہ اس کی تباہی میں لیبی انٹیلی جنس کا ہاتھ تھا۔ بڑی ردوکد کے بعد قذافی نے اپنے دو انٹیلی جنس افسر ہالینڈ کی ایک عدالت کے حوالے کردیے اور لیبیا نے اربوں ڈالر کا معاوضہ ان مسافروں کے ورثا کو دیا جو اس فضائی حادثے میں مارے گئے تھے۔ دونوں انٹیلی جنس افسر کئی سال کی سزائے قید برطانیہ میں کاٹ کر واپس آئے تو ان کا شاہانہ استقبال کیا گیا۔ دوسری طرف اطالوی وزیراعظم برلسکونی نے لیبیا کے عوام پر اطالوی سامراجی مظالم کی معافی مانگی اور ایک ڈیڑھ ارب ڈالر ہرجانہ لیبیا کو دیا۔

قذافی ملک الملوک بن گئے

27 اگست 2008ء کو لیبیا کے شہر بن غازی میں قذافی نے 200 افریقی ''بادشاہ'' اور روایتی حکمران اکٹھے کرلیے اور اس اجتماع میں کرنل قذافی کو ملک الملوک (بادشاہوں کا بادشاہ) کا خطاب عطا کیا گیا، حالانکہ نبی ﷺ نے شہنشاہ یا ملک الاملاک کہلانے کی مذمت فرمائی ہے۔

لیبیا میں عوامی بغاوت

جنوری فروری 2011ء میں تونس اور مصر میں عوامی انقلابات برپا ہوئے تو 17 فروری 2011ء کو لیبی عوام بھی قذافی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ 27 فروری کو باغیوں کے زیرکنٹرول علاقے کے انتظام کے لیے بن غازی میں قومی عبوری کونسل قائم ہوئی جسے 10 مارچ کو فرانس نے اور پھر دیگر ممالک نے لیبی عوام کی جائز نمائندہ کونسل تسلیم کرلیا۔ قذافی نے باغیوں کے جائز مطالبات تسلیم کرنے کے بجائے فوج کو حکم دیا کہ ان چوہوں کو مار ڈالو۔ طرابلس سے 48 کلومیٹر پر زاویہ شہر پر بے رحمانہ بمباری کی گئی۔ اس سے مغربی صلیبی ممالک نے فائدہ اٹھایا۔ 17 مارچ 2011ء کو سلامتی کونسل نے ایک قرارداد کی منظوری دی جس کے تحت امریکہ اور ناٹو نے لیبیا پر نوفلائی زون قائم کردیا۔ روس، چین اور جرمنی سلامتی کونسل کے اجلاس سے غیرحاضر رہے تھے۔ اس قرارداد کے مطابق 19 مارچ کو لیبی عوام کے تحفظ کے نام پر ناٹو نے لیبیا کے فضائی اڈوں اور تنصیبات پر بمباری شروع کردی۔ امریکی جنگی بحری جہاز اور طیارے بھی وہاں پہنچ گئے۔ طرابلس اور برقہ میں 3000 اہداف پر 14202 بمباریاں کی گئیں۔ امریکہ کے بی 2 سٹیلتھ بمبار جن میں سے ہر ایک پر 2 ہزار پونڈ وزنی 16 بم تھے، مزوری (امریکہ) کے اڈے سے آکر بمباری کرتے رہے۔

یوں مغربی سہارا ملنے سے باغی 22 اگست 2011ء کو طرابلس شہر میں داخل ہوگئے اور انھوں نے ساحہ اخضر کا نام ساحہ شہداء رکھ دیا، ان شہداء کی یاد میں جو اس چوک میں 17 فروری کو مارے گئے تھے۔ قذافی اپنے حامیوں کے ساتھ سرت چلے گئے تھے۔ 20 اکتوبر 2011ء کو سرت میں آخری معرکہ ہوا۔ قذافی پکڑے گئے اور تشدد سے مار ڈالے گئے۔ ان کی لاش بھی کہیں صحرا میں دفن کردی گئی۔ اس خانہ جنگی میں 30 ہزار افراد مارے گئے۔

لیبیا کے مذہبی مسالک

لیبیا کی 100 فیصد آبادی مسلمان ہے جو زیادہ تر مالکی فقہی مسلک کے پیروکار ہیں۔ یہاں کچھ اباضی خارجی بھی بستے ہیں۔ محمد بن محمد بن عبدالرحمٰن الرعینی الحطاب (متوفی 954ھ/1547ء) بڑے مالکی فقیہ تھے۔ مواہب الجلیل، تحریر الکلام فی مسائل الالتزام، قرۃ العین فی الاصول اور شرح قواعد عیاض ان کی مشہور کتب ہیں۔ سابق مفتی لیبیا الشیخ طاہر الزاوی بھی مشہور علماء میں سے ہیں۔

کیا آپ جانتے ہیں؟

اب تک دنیا میں سب سے زیادہ درجہ



حرارت (57.7C) لیبیا کے ایک صحرائی قصبے عزیزیہ میں 1922ء میں ریکارڈ کیا گیا۔

لیبیا میں تیل کے کنویں

لیبیا کی سب سے بڑی معدنی دولت تیل ہے۔ تیل کے کنویں حقل سریر، حقل دفہ، حقل الواحہ، حقل السماع، حقل البیضاء، حقل زلتن، حقل الراقوبہ، حقل الظہرہ اور حقل مبروک ہے۔ دیگر معدنیات میں قدرتی گیس اور جپسم قابل ذکر ہیں۔

لیبیا کے مشہور شہر

طرابلس

یہ لیبیا کا دارالحکومت اور سب سے بڑا شہر ہے۔ اسے فنیقیوں نے ساتویں صدی قبل مسیح میں ٹریپولی (لبنان کے شہر ٹریپولی کے نام سے) آباد کیا۔ بعد میں یہاں یونانی اور قرطاجنہ کے باشندے قابض رہے۔ دوسری صدی قبل مسیح میں اس پر رومیوں نے قبضہ کرلیا جو مسلمانوں کی فتح تک جاری رہا۔ عربوں نے طرابلس الشام (لبنان) سے امتیاز کے لیے اسے طرابلس الغرب کا نام دیا۔ اس شہر کو ترکوں نے فوجی چھاؤنی کے طور پر ترقی دی۔ قومی عجائب گھر، فٹ بال سٹیڈیم اور ایئرپورٹ یہاں کی مشہور عمارتیں ہیں۔ مسجد القدس یہاں کی تاریخی مسجد ہے۔ طرابلس میں کلیۃ الشریعۃ والقانون اور کلیۃ الدعوۃ الاسلامیۃ کام کررہے ہیں۔ طرابلس کی آبادی ساڑھے بارہ لاکھ ہے۔

بن غازی

یہ لیبیا کا دوسرا بڑا شہر اور ملک کا دوسرا دارالحکومت ہے۔ بن غازی یونانیوں نے پانچویں صدی ق م میں برنیک کے نام سے آباد کیا تھا۔ مشہور یونانی مؤرخ ہیروڈوٹس نے اس کا ذکر کیا ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں بن غازی اتحادیوں کی بمباری سے تقریباً تباہ ہوگیا تھا۔ آزادی کے بعد اس شہر کو ترقی دی گئی اور یہاں تعمیرات کا آغاز ہوا۔ المینار محل، عمر مختار سٹریٹ اور مسجد عتیق یہاں کی مشہور جگہیں ہیں۔ بن غازی میں ایک کلیۃ الشریعۃ والقانون بھی ہے۔ بن غازی کی آبادی 7 لاکھ کے لگ بھگ ہے۔

مصراتہ

یہ لیبیا کا تیسرا سب سے بڑا شہر ہے۔ اسے عرب مسلمانوں نے ساتویں صدی عیسوی میں بسایا تھا۔ آزادی کے بعد یہاں کئی کالج، سکول اور حکومتی اداروں کے دفاتر تعمیر کیے گئے۔ اس شہر کے نواح میں کئی صنعتیں بھی قائم ہیں۔ مصراتہ کی آبادی تقریباً ساڑھے تین لاکھ ہے۔

لیبیا کے دیگر مشہور شہر واحہ کفرہ (عمر مختار شہید کا شہر)، طبرق، درنہ، سرت، اوزو، جغبوب، سبہا، زویلہ، صبراتہ، غدامس، غات، الخمس اور مرزوق ہیں۔

لیبیا کے کھانے

یہاں کے پکوان افریقی، عربی اور اطالوی کھانوں کا امتزاج ہیں۔ لیبیا کے لوگ سبزیوں اور گوشت کے بڑے شوقین ہیں۔

دجاج ماغلی: اس مزے دار چکن ڈش میں بارہ مرغ کے بڑے پیس، ادرک، انڈے، کالی مرچ اور ایک لیموں ڈالا جاتا ہے۔

اشرابل لیبیا: یہ پکوان بکرے کے گوشت، پودینے، ٹماٹر کی چٹنی اور پیاز وغیرہ ڈال کر تیار کیا جاتا ہے۔

سلاتہ عربیہ: یہ مزے دار سلاد ہے۔ اس میں ٹماٹر کے ٹکڑے، کھیرا، ادرک، پیاز، شملہ مرچ، لیموں کا رس اور زیتون کا تیل استعمال ہوتا ہے۔

دنیا کا عظیم ترین مصنوعی دریا

لیبیا میں دنیا کا سب سے بڑا انسانی ساختہ زیرزمین دریا بنایا گیا ہے جسے النہر الصناعی العظیم کہا جاتا ہے۔ اس کی لمبائی 2820 کلومیٹر ہے۔ اسے 1300 ٹیوب ویل پانی فراہم کرتے ہیں جو اکثر 500 میٹر سے زیادہ گہرے ہیں۔ اس کا تازہ پانی لیبیا کے تین بڑے شہروں طرابلس، بن غازی اور سرت اور زرعی فارموں میں پہنچایا گیا ہے۔ یہ دریا صحرائے لیبیا سے بڑے بڑے پائپوں کی صورت میں ساحل تک لایا گیا ہے اور اسے دنیا میں طویل ترین مصنوعی دریا کہا جاتا ہے۔ جبل حسونہ، کفرہ، تزربو اور سریر کے زیرزمین قدرتی آبی ذخیروں سے روزانہ 65 لاکھ مکعب میٹر پانی زرعی فارموں اور ساحلی علاقوں میں پہنچایا جاتا ہے۔

لیبیا ایک قدیم اسلامی ملک ہے۔ اسے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں فتح کیا گیا۔ ترک عثمانی دور میں یہ اسلامی سلطنت کا اہم ترین صوبہ تھا۔ 1914ء میں سلطنت عثمانیہ کے



زوال کے بعد اس پر اٹلی نے قبضہ کرلیا اور اسے خوب نقصان پہنچایا۔ 1951ء میں آزاد ہونے والا یہ ملک تیل کی دولت سے مالا مال ہے۔ کرنل قذافی کے طویل اقتدار کے بعد یہ ملک تبدیلی کے مراحل سے گزر رہا ہے۔

لیبیا کی نئی صورتحال

جولائی 2012ء میں لیبیا میں پہلے پارلیمانی انتخابات منعقد ہوئے۔ 8 اگست کو قومی عبوری کونسل نے اقتدار منتخب جنرل نیشنل کانگرس کو تفویض کردیا۔ اس کے بعد ایک عبوری حکومت تشکیل پائی تھی اور عام رائے شماری سے نیا آئین منظور ہونا تھا۔ اس دوران میں اسلام پسند سیاستدانوں اور ان کے مخالفین میں محاذ آرائی کے باعث مرکزی حکومت پورے ملک پر کنٹرول قائم نہیں کرسکی۔ 25 اگست 2012ء کو ایک منظم گروہ نے دارالحکومت طرابلس کے مرکز میں ایک صوفی مسجد اور قبریں مسمار کردیں۔ پھر 11 ستمبر 2012ء کو اسلامی عسکریت پسندوں نے بن غازی کے امریکی قونصل خانے پر حملہ کرکے امریکی سفیر کرسٹافر سٹیونز اور تین دیگر افراد ہلاک کردیے۔ 7 اکتوبر کو منتخب وزیراعظم مصطفیٰ ابوصقر کو برطرف کردیا گیا کیونکہ وہ پارلیمنٹ سے اپنی نئی کابینہ کی دوسری بار منظوری نہ لے سکے۔ 14 اکتوبر کو علی زیدان وزیراعظم نامزد ہوئے۔ 11 مارچ 2014ء کو پارلیمنٹ نے انھیں برطرف کردیا اور عبداللہ الثانی وزیراعظم بنے۔

جون 2014ء میں نئے قانون ساز ادارے مجلس نمایندگان کے انتخابات منعقد ہوئے جس نے جنرل نیشنل کانگرس (GNC) کی جگہ لے لی۔ مجلس نمایندگان میں سیکولر اور لبرل اکثریت میں آگئے تو اسلام پسندوں نے جمع ہوکر جنرل نیشنل کانگرس کی بحالی کا اعلان کردیا۔ نئی جنرل نیشنل کانگرس کے مسلح حامیوں نے طرابلس پر قبضہ کرلیا اور نئی منتخب پارلیمنٹ طبرق فرار ہوگئی۔ دریں اثنا اسلام پسند جنگجوؤں نے درنہ (2014ء) اور سرت (2015ء) پر داعش کے نام سے قبضہ کرلیا۔ اوائل 2015ء میں مصر نے طبرق حکومت کی حمایت میں داعش کے ٹھکانوں پر فضائی حملے کیے۔ جنوری 2015ء سے جنیوا اور غدامس میں جی این سی اور طبرق حکومت میں مذاکرات کی کوششیں ہوئی ہیں مگر تاحال فریقین میں کوئی مفاہمت نہیں ہوسکی۔

قذافی کے فرزندان

کرنل معمر قذافی کے سات بیٹے تھے۔ سیف الاسلام قذافی، السعدی قذافی، معتصم باللہ، ہنی بال معمر قذافی، خامس قذافی، سیف العرب قذافی، محمد قذافی۔ سیف الاسلام فرار ہوگیا تھا، موریتانیا سے اسے گرفتار کرکے لایا گیا اور عدالت نے اسے سزائے موت سنائی۔ السعدی قذافی لیبیا میں ابھی زیرحراست ہے، وہ نائیجر سے پکڑا گیا تھا۔ خامس، سیف العرب اور معتصم باللہ کرنل قذافی کے ساتھ مارے گئے تھے۔ ہنی بال پہلے الجزائر میں چھپا رہا، پھر اس نے عمان میں سیاسی پناہ لے لی۔ محمد قذافی بھی اپنی بہن اور قذافی خاندان کے ساتھ الجزائر چلا گیا تھا، پھر عمان میں پناہ گزیں ہوا۔

بقیہ: بدعتی اور گمراہ رشتہ دار

اس سے مراد باہمی الفت ہے جو اللہ کے اختیار میں ہے۔ اس آیت میں آپ ﷺ کو خرچ کرنے سے روکا نہیں جارہا بلکہ یہ بتایا جارہا ہے کہ خرچ کرنے سے مطلوبہ نتائج حاصل نہ ہوں تو اس سے فرق نہیں پڑتا کیونکہ یہ تو اللہ کے اختیار میں ہے۔ حسب ذیل حدیث بھی مذکورہ موقف کی تائید میں پیش کی جاسکتی ہے۔ حدیث میں ہے: ایک آدمی نے صدقہ کرنے کا ارادہ کیا اور ایک رات اس نے صدقہ چور کے ہاتھ میں دے دیا، دوسری رات بدکار خاتون کے حوالے کردیا اور تیسری رات مالدار شخص کو دے آیا۔ اس نے کہا: اے اللہ تیری ہی تعریف ہے: چور، بدکار خاتون اور مالدار شخص پر صدقہ ہوگیا۔ پھر اس کے پاس کوئی آیا اور اسے کہا گیا: ہاں! تمھارا جو صدقہ چور کو ہوگیا ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس کی بدولت اسے چوری سے بچالے، زانیہ پر صدقے کی وجہ سے شاید وہ زنا سے بچ جائے اور مالدار شخص پر جو صدقہ ہوا ہے عین ممکن ہے وہ اس سے سبق لے اور اللہ نے اسے جو دیا ہے اس میں صدقہ کرنے لگ جائے۔'' (صحيح البخاري: 1421)

ہمارے موضوع سے متعلق استدلال یہ ہے کہ اس شخص نے جو نیت کی تھی اور اس کے مطابق کوشش کرکے اس نے صدقہ دیا وہ صدقہ اصل حق داروں کو نہ پہنچ سکا تو بھی قبول ہوجائے گا اور اس کے اثرات کسی نہ کسی صورت ظاہر ہوتے رہیں گے۔ اسی طرح قرآن مجید میں جہاں بھی رشتہ داروں پر خرچ کرنے کا حکم ہے وہاں مطلقاً ذکر ہے۔ جس میں رشتہ داروں کے حق پر ہونے یا نہ ہونے کا ذکر نہیں۔ ہاں البتہ حدیث مبارکہ میں زکاۃ



کے حوالے سے اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ وہ مسلمانوں ہی کو دی جائے۔ حدیث ہے:

«تُؤخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَاءِ هِمْ»

''ان (مسلمانوں) کے مالدار لوگوں سے زکاۃ وصول کی جائے اور ان کے ناداروں کو لوٹائی جائے۔'' (صحيح البخاري، حديث: 1395)

زیر بحث موضوع پر ایک اور واقعے سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے۔ مادرِ امت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قریبی عزیز مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ بھی ملوث ہوگئے، حالانکہ ان پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کی محتاجی اور رشتے داری کی وجہ سے خرچ بھی کیا کرتے تھے۔ تہمت میں ملوث ہونے کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے جذبات کا اظہار کیا: ''اللہ کی قسم! مسطح نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں جو کہا میں اب کے بعد کبھی بھی اس پر کچھ خرچ نہیں کروں گا۔'' تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمادیا: ﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَى وَالْمَسَاكِينَ .....﴾ ''تم میں سے فضل والے اور وسعت والے اس کی قسم نہ اٹھائیں کہ وہ رشتے داروں اور مسکینوں کو نہیں دیں گے.....'' (النور 22:24) اس کے نزول کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: کیوں نہیں! میں پسند کرتا ہوں کہ اللہ مجھے بخشے۔ پھر انھوں نے دوبارہ مسطح رضی اللہ عنہ پر خرچ کرنا شروع کردیا اور پھر کہنے لگے: اللہ کی قسم میں کبھی بھی اس سے ہاتھ نہیں کھینچوں گا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 4750) اس تہمت میں شریک لوگوں کا گناہ بہت بڑا تھا۔ انھیں باقاعدہ شرعی سزا دی گئی اور ان کی وجہ سے عذاب کی وعید قرآن میں بیان ہوئی اور یہاں تک فرمادیا گیا کہ اللہ کا فضل نہ ہوتا تو تمھیں عذاب گھیر لیتا..... مگر اس سب کچھ کے باوجود اقربا پروری سے ہاتھ کھینچنے سے روک دیا گیا۔

البتہ صدقہ و زکاۃ سے اپنے دینی مقاصد کے حصول کے لیے کچھ پلاننگ کرلی جائے تو نتائج اچھے نکل سکتے ہیں، مثلاً:

* جس دن زکاۃ دینی ہو اس دن کوئی شخص حکمت سے انھیں اسلام کی بنیادی تعلیمات اور عقائد کے بارے میں بتائے اور سوال و جواب کی نشست ہو۔
* کوئی اچھا لٹریچر ان میں تقسیم کیا جائے۔
* اگر انھیں روزگار مہیا کرنا ہے تو انھیں اچھے لوگوں سے منسلک کیا جائے۔
* سال بعد زکاۃ دینے کے ساتھ ساتھ گاہے گاہے ان کی خبر گیری کی جائے اور انھیں یہ بتایا جائے کہ ہمارا دین ہمیں اس بات کی تلقین کرتا ہے۔
* ان کے دکھ درد میں شریک ہوا جائے۔

آخر میں موضوع سے متعلق ایک اور حدیث بھی ذکر کی جاتی ہے، جو یہ ہے: نبی کریم ﷺ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرکے فرمایا تھا:

«لَا يَأْكُلُ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيٌّ» ''تمھارا کھانا بس متقی شخص ہی کھائے۔'' (سنن أبي داود: 4832)

اس حدیث سے بعض اوقات یہ سمجھ آتی ہے کہ زکاۃ وصدقات متقی لوگوں ہی کو دینی چاہیے۔ مگر سابقہ دلائل کو دیکھا جائے تو اس حدیث سے یہ فہم درست نہیں لگتا۔ اس کی کئی وجوہات ہیں:

* اس حدیث میں کھانے کا ذکر ہے۔ صدقہ و زکاۃ کا اس میں مطلقاً ذکر نہیں ہے۔ اور گھر میں متقی شخص ہی کھانا کھائے تو اچھا ہے۔ متقی شخص کھانا کھائے گا برکت ہوگی اور گھر والا کسی بھی فتنے سے محفوظ رہے گا، جبکہ دوسرے شخص سے کئی ایک خطرات و خدشات ہوسکتے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ اس حدیث میں آپ ﷺ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو خصوصی طور پر یہ بات سمجھائی ہو کہ آپ نے ایسے کوئی خدشات مشاہدہ کیے ہوں۔
* اگر صدقہ، زکاۃ اور خیرات متقیوں ہی کے لیے ہوتا تو اس کے لیے واضح الفاظ تو موجود تھے مگر آپ علیہ السلام نے ایسا نہیں فرمایا۔ اگر کوئی متقی شخص نہ ملے اور اگر ایسا شخص ملے جس کے ماتحت پھر کوئی غیر متقی شخص ہوں اس زکاۃ کو ان کے استعمال کرنے کا جواز کیا ہوگا؟ ایسا لمبا چوڑا حساب رکھنے کی اور تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ متقی لوگ تو ویسے ہی سوال کرنے سے بچتے ہیں اور قوت لایموت پر بھی گزارا کرلیتے ہیں۔ اس وجہ سے حدیث مذکور کو اپنے ظاہری معنی ہی پر محمول کرنا چاہیے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلام اور اس کی تعلیمات راسخ کرنے کے لیے اپنے عزیز و اقارب کو زکاۃ دی جاسکتی ہے، خواہ وہ گمراہیوں میں ڈوبے رہیں کیونکہ ہمارا کام خرچ کرنا ہے اور ہدایت سے نوازنا اللہ کا کام ہے۔ اگر مشاہدہ یہ ہو کہ وہ آپ کی دی ہوئی زکاۃ وصدقات کسی حرام یا ممنوع کام میں لگا رہا ہے اور تنبیہ کے باوجود بھی باز نہیں آرہا تو پھر گناہ پر ان سے تعاون نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن اس کا خیال تو اس وقت بھی رکھنا چاہیے جب آپ بغیر کسی شک کے مستحق افراد کو دے رہے ہوں، مثلاً: ایک ضرورت مند ہے مگر وہ نشہ کرتا ہے۔ آپ کو پتہ ہے کہ اس نے پیسے لینے کے فوراً بعد اپنے نشے کے لوازمات پورے کرنے ہیں تو اس طرح آپ اس کا تعاون نہ کریں۔ لیکن اس کے علاج معالجے پر خرچ کرسکتے ہیں۔